# دہشت کا سفر



خوف اور دہشت......! ایک ایسا احساس، جو انسان پر کسی بھی مقام پر کسی بھی لمحے حملہ آور ہوسکتا ہے۔ کہیں آتے جاتے، چلتے پھرتے، پُر رونق بازاروں کی چہل پہل میں جہاں انسان خود کو بیسیوں افراد کے درمیان ہر طرف سے محفوظ سمجھتا ہے۔ اچانک کوئی سوچ، کوئی خیال، خوف و دہشت کی صورت میں اُس پر حملہ آور ہوتا ہے تو اُس کے دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی ہے، اعصاب تن جاتے ہیں اور رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ بھرے پرے ہجوم میں وہ خود کو تنہا محسوس کرتا ہے۔

پلیٹ فارم پر مسافروں، قلیوں، اخبار فروشوں، اشیائے خورد ونوش فروخت کرنے والوں اور ریلوے انجنوں کے شور وغل کے درمیان اناؤنسر کی آواز لاؤڈ اسپیکر پر گونجی۔ ''خواتین و حضرات توجہ فرمایئے۔ پلیٹ فارم نمبر نو پر بریڈ لے جانے والی ٹرین تیار کھڑی ہے، بریڈ لے جانے والے مسافروں سے التماس ہے کہ وہ پلیٹ فارم نمبر نو پر پہنچ جائیں۔ ٹھیک پندرہ منٹ بعد ٹرین اپنے سفر پر روانہ ہو جائے گی۔'' یہ اعلان تین مرتبہ لاؤڈ اسپیکر پر دہرایا گیا۔

پلیٹ فارم پر موجود لوگوں کے اژدھام میں سے، خوف کے عفریت نے پانچ ایسے افراد کا انتخاب کیا جو زندگی کے مختلف شعبوں میں کامیاب اور خوشحال زندگی گزار رہے تھے۔ ان پانچوں کا یہ سفر نجی، کاروباری اور تفریحی سفر تھا لیکن اچانک یہ سفر خوفناک سفر میں تبدیل ہوگیا جس کا ان میں سے کسی کو بھی ادراک نہ تھا۔ تقدیر اُنہیں کھینچ کر ٹرین

کے ایک ڈبے میں یکجا کر رہی تھی۔

اسٹیشن کی عمارت میں اناؤنسر کی آواز کی گونج اب بھی باقی تھی۔ جم ڈاسن نے کلائی پر بندھی گھڑی میں وقت دیکھا اور ٹکٹ خریدنے کے لئے کھڑکی کی طرف بڑھ گیا۔ ٹکٹ خرید کر وہ تیز تیز قدموں سے پلیٹ فارم نمبر نو کی جانب چل پڑا۔ وہ تیس بتیس سالہ غیر شادی شدہ نوجوان تھا اور ایڈنبرا کے ایک تعمیراتی ادارے میں ملازم تھا۔ اُسے اپنے پیشے سے بڑی دلچسپی تھی۔ اس لئے کہ وہ سیر و سیاحت کا بہت شوقین تھا اور اپنے پیشہ ورانہ فرائض کے سلسلے میں اُسے اکثر اوقات سفر میں ہی رہنا پڑتا تھا۔ ایڈنبرا سے باہر جانے کے بعد اُس کی ہمیشہ یہ کوشش رہتی کہ لندن میں قیام کے لئے کچھ وقت ضرور نکال لے۔ آج جب وہ ٹرین کے قریب پہنچا تو اُسے غیر معمولی رش نظر آیا۔ تقریباً تمام ڈبے مسافروں سے بھرے ہوئے تھے اور اس کے باوجود مزید لوگ ان میں سوار ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔ مسافروں کا ریلا اب گاڑی کے پچھلے ڈبوں کی طرف بڑھ رہا تھا۔

جم ڈاسن اگلے ڈبوں کی طرف بڑھ گیا۔ ٹرین کے اگلے سرے پر تین نمبر بوگی اُسے غیر متوقع طور پر ایسی دکھائی دی جس میں صرف ایک مسافر بیٹھا ہوا تھا۔ وہ پھرتی سے اُس ڈبے میں چڑھ گیا۔ پہلے سے بیٹھے مسافر نے اُسے سرسری نظروں سے دیکھا۔ دونوں دھیرے سے مسکرائے لیکن بات چیت کی ابتداء دونوں میں سے کسی نے نہیں کی۔

جم کے آنے کے بعد تین مسافر اور بھی آ گئے۔ پہلے اندر آنے والا نوجوان تھا جس کے بڑے بڑے بال اُس کے کندھوں تک پہنچے ہوئے تھے۔ چہرے مہرے سے وہ خاصا ہوشیار معلوم ہوتا تھا۔ دوسرے مسافر کو دیکھ کر جم کا منہ بن گیا۔ وہ ایڈی مارش تھا۔ اخبارات اور ٹیلی ویژن پر اُس کے کالم اور بور قسم کے لیکچر نشر ہوتے رہتے تھے۔ جم نے سوچا، اس منحوس کے کاموں اور پھسپھسے لیکچروں سے اخبار لپیٹ کر رکھ دینے اور ٹی وی کا سوئچ آف کر کے نجات مل جاتی تھی۔ لیکن آج یہ شخص بور کرنے کے لئے بہ نفس



نفیس خود آن پہنچا ہے۔ اس کا سوئچ تو آن ہی رہے گا بھلا اسے کون چپ کرا سکے گا۔

تیسرا مسافر ایک نوجوان امریکی تھا۔ اب اس ڈبے میں کل پانچ مسافر تھے۔ انجن نے وسل دی اور گاڑی چلنے ہی والی تھی کہ ایک مسافر تیزی سے دوڑتا ہوا ڈبے میں چڑھ آیا اور بولا۔ ”یہاں میرے لئے جگہ نکل ہی آئے گی۔“

نو وارد کی عمر 70 سے متجاوز تھی۔ اُس کے کپڑے پرانے اور بوسیدہ تھے اور ان کا ڈیزائن، تراش و خراش بھی عہد قدیم کی یادگار تھی۔ اُس کے چہرے پر جھریوں نے جال سا پھیلایا ہوا تھا۔ اُس کے خدوخال میں سب سے زیادہ نمایاں اور قابل توجہ چیز اُس کی آنکھیں تھیں۔ عمر کے لحاظ سے اُس کے چہرے پر وہ آنکھیں عجیب سی لگ رہی تھیں۔ تیز دمکتی ہوئی، مضطرب آنکھیں جو مخاطب کے دل میں اترتی محسوس ہوتیں، کسی تیز دھارے کی طرح۔

اُس کی آنکھیں جو اُس کے چہرے پر عجیب سی پراسراریت پیدا کر رہی تھیں، تیز اور چمکدار ہونے کے باوجود دیکھنے والوں کو نیند کے خمار میں ڈوبی ہوئی لگتی تھیں۔ ایک بوجھل سی کیفیت لہریں لے رہی تھی ان آنکھوں میں۔ اُس کے چہرے مہرے، لب و لہجے اور لباس کی تراش خراش سے اُس کی قومیت کا اندازہ لگانا بھی مشکل تھا۔ پتہ نہیں چلتا تھا کہ وہ کس ملک کا باشندہ ہے۔ سب سے پہلے بیٹھے ہوئے مسافر نے ایک طرف کھسک کر بوڑھے کے بیٹھنے کے لئے جگہ بنائی اور بوڑھے نے ”شکریہ“ کہہ کر سیٹ سنبھال لی۔

ایڈی مارش کو بوڑھے کی شخصیت پسند نہیں آئی تھی۔ اُس نے اپنی بیزاری اور ناپسندیدگی کے اظہار کے لئے ایک مرتبہ اُسے گھور کر دیکھا اور پھر کوٹ کی جیب سے اخبار نکال کر اپنے سامنے پھیلا لیا۔ لیکن اس کے باوجود وہ کن انکھیوں سے بوڑھے کو گھورتا رہا۔

ٹرین چل پڑی تھی۔ جم ڈاسن تھوڑی دیر تک کھڑکی سے باہر دوڑتے مناظر کو دیکھتا رہا لیکن بہت جلد وہ اس شغل سے اُکتا گیا۔ دراصل وہ اپنے چند اہم کاغذات کا مطالعہ کرنا چاہتا تھا لیکن پھر اُس نے فیصلہ کیا کہ کچھ سفر گزر جانے کے بعد بیگ سے کاغذات نکالے گا اور ان کا مطالعہ شروع کرے گا۔ چنانچہ وہ بے مقصد نظروں سے ڈبے میں سوار افراد کا جائزہ لینے لگا۔

ایڈی مارش اپنے آپ کو سب سے افضل ثابت کرنے کے لئے ایک مشہور سوسائٹی میگزین کھول کر بڑے متکبرانہ انداز میں اسے پڑھ رہا تھا یا پڑھنے کی اداکاری کر رہا تھا۔ جم ڈاسن کی نظریں غیر ارادی طور پر اُس پراسرار بوڑھے مسافر کی نظروں سے جا ملیں۔ اُس کی آنکھوں سے آنکھیں ملتے ہی جم ڈاسن کو یوں لگا جیسے کسی چندھیا دینے والی روشنی نے یک لخت اُس کی آنکھیں خیرہ کر دی ہوں۔ اسے اپنے جسم میں چیونٹیاں سی رینگتی محسوس ہوئیں۔ اس نے کوشش کی کہ اپنی نظریں بوڑھے کے چہرے سے ہٹا لے لیکن اسے کامیابی نہیں ہوئی۔

بالآخر کچھ دیر بعد بوڑھے نے خود اپنے چہرے کا زاویہ بدلا اور ڈبے میں موجود افراد کا جائزہ لینے لگا۔ جم ڈاسن کو ایسا محسوس ہوا گویا وہ کسی سحر سے دفعتہً آزاد ہو گیا ہے۔ جم ڈاسن کو یہ بات عجیب سی لگی کہ بظاہر تو وہ بوڑھا نیم خوابیدہ سی کیفیت میں تھا لیکن درحقیقت اس کی ادھ کھلی، سوئی سوئی، غنودہ سی آنکھوں میں بے پناہ کشش تھی۔ اس نے ٹیلی پیتھی، ہپناٹزم اور مسمریزم جیسے علوم کے بارے میں پڑھا اور سنا ہوا تھا۔ اسے خیال آیا شاید یہ بوڑھا ان علوم میں سے کسی کا ماہر رہا ہو۔

گاڑی نے اب رفتار پکڑ لی تھی۔ شاید پٹریاں بدلنے کی وجہ سے لگاتار جھٹکے لگ رہے تھے جسے سب مسافر محسوس کر رہے تھے۔ جم ڈاسن نے محسوس کیا کہ امریکی نوجوان بڑے غور سے بوڑھے کے اٹیچی کیس کی طرف دیکھ رہا تھا جو اُس کی گود میں رکھا ہوا تھا



اور گاڑی کے دھچکوں سے اب وہ اٹیچی کیس بڑی آہستگی سے پھسلتا جا رہا تھا جس کا احساس شاید بوڑھے کو نہیں تھا۔ جم چند لمحوں تک تو اُسے دیکھتا رہا اُس نے سوچا کہ بوڑھے کو ہوشیار کر دے لیکن چند لمحات قبل کے تجربے نے اُسے بوڑھے کو مخاطب کرنے سے باز رکھا۔

وہ اس کام کے سلسلے میں غور کرنے لگا جو اُسے بریڈلے کھینچ کر انجام دینا تھا، پھر اچانک ہی اُس کے خیالات بھٹک کر وہاں سے سینکڑوں میل دُور واقع اپنے آبائی مکان تک جا پہنچے۔ وہ مکان اب اُس کی ملکیت نہیں رہا تھا۔ کچھ عرصہ قبل اُس نے اسے ایک بے حد دلکش خدوخال کی سانولی رنگت کی عورت کے ہاتھ فروخت کر دیا تھا۔ اس عورت نے خود کو بیوہ ظاہر کیا تھا۔ اب جم کو وہ مکان اس لئے یاد آ رہا تھا کہ اُس کے دل میں اس خوبصورت، سانولی سی خاتون سے ملاقات کی خواہش جاگ رہی تھی۔ شاید اس نے مکان کی فروخت کے بعد سے اکثر اس عورت کے بارے میں سوچا تھا۔ حالانکہ مستقبل قریب میں اس عورت سے ملاقات کا کوئی امکان نہیں تھا۔ کیونکہ وہ مکان ایسے دُور دراز علاقے میں واقع تھا جسے جم نے ہمیشہ کے لئے چھوڑ دیا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ محض اس عورت سے ملاقات کے لئے وہاں تک جانا مناسب ہوگا؟

اچانک زوردار آواز کے ساتھ بوڑھے مسافر کا اٹیچی کیس فرش پر گر پڑا۔ جم چونک کر خیالات کے بھنور سے نکل آیا۔ اٹیچی کیس میں موجود تمام چیزیں اِدھر اُدھر بکھر گئیں۔ بوڑھا معذرت خواہانہ انداز میں باقی مسافروں کی طرف دیکھ کر بکھرا ہوا سامان سمیٹ کر دوبارہ بریف کیس میں رکھنے لگا۔ امریکی نوجوان جھک کر تاش کا پیکٹ فرش سے اٹھا کر بوڑھے کے حوالے کرتے ہوئے بولا۔ ”اس عمر میں بھی آپ تاش کھیلنے کے خاصے شوقین معلوم ہوتے ہیں۔“

”یہ تاش تو کچھ عجیب قسم کے نظر آتے ہیں۔“ ایڈی نے تاش کے پیکٹ پر موجود

تصویر دیکھ کر کہا۔

جم نے اپنے پاؤں کے پاس پڑا ایک وزیٹنگ کارڈ اٹھا لیا اور کے حوالے کرنے سے پہلے غیرارادی طور پر اسے پڑھنے لگا۔ جس پر 'ڈاکٹر پی ایچ ڈی۔ مابعد النفسیات' لکھا تھا۔ جم نے حیران ہو کر کہا۔

''مابعد النفسیات میں پی ایچ ڈی...... ! مجھے معلوم نہیں علم پر بھی ڈاکٹریٹ کی ڈگری دی جاتی ہے۔''

''یہ سائنس کا اہم ترین شعبہ ہے۔'' بوڑھے نے گمبھیر لہجے میں جواب دیا۔ ''زندگی کے پراسرار پہلوؤں کے مطالعے کی سائنس کو مابعد النفسیات کہا جاتا ہے...... اور اس تحقیق پر ڈاکٹریٹ کیوں نہ دی جائے۔''

''یہ شیرک...... تو شاید جرمن لفظ ہے؟'' جم نے پوچھا۔ اُسے جرمن زبان سے کچھ کچھ واقفیت تھی۔

''ہاں۔'' بوڑھے نے جواب دیا۔

''اور جہاں تک مجھے معلوم ہے، شیرک کے معنی خوف و پراسراریت کے ہیں۔''

''جی ہاں...... ٹھیک کہا آپ نے۔'' بوڑھے نے جواب دیا۔ ''بلکہ لغوی معنوں میں اس کا مطلب ''دہشت'' ہے۔ یہ میری بدقسمتی ہے کہ میرے نام کے ایسے بھیانک معنی نکلتے ہیں۔ ویسے درحقیقت میں بے ضرر اور نرم دل سا آدمی ہوں۔'' اب اُس کے لہجے میں نرمی اور انکسار تھا۔ پھر وہ تاش کی گڈی پر نظریں جمائے کھوئے کھوئے سے انداز میں بولا۔ ''میرا اس لفظ سے اس قدر تعلق ضرور ہے کہ میں کسی بھی شخص کو مستقبل میں پیش آنے والے خوفناک واقعات کے بارے میں قبل از وقت بتا سکتا ہوں اور میری اس پیشگوئی کا ذریعہ یہ تاش کی گڈی ہے۔ اس گڈی کے ہر کارڈ پر ایک مختلف شبیہہ ہے جو انسانی زندگی کے کسی نہ کسی پہلو کی ترجمانی کرتی ہے۔ میں ان پتوں کے ذریعے



مستقبل کے لئے صد فی صد درست پیشگوئی کر سکتا ہوں۔'' یہ کہتے ہوئے اُس نے تاشوں کا پیکٹ کھول لیا اور ان پر موجود عجیب و غریب تصویریں وہاں موجود پانچوں مسافروں کو دکھانے لگا۔ ٹرین کے ہلکے ہلکے دھچکوں کی وجہ سے وہ تصویریں متحرک سی معلوم ہوتی تھیں۔

''آپ کس قسم کی پیشگوئی کر سکتے ہیں؟'' جم نے پوچھا۔

ڈاکٹر شیرک نے تاش پھینٹتے ہوئے جم کی طرف دیکھا اور ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں بولا۔ ''انسانی تقدیر کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ ایک قدرتی پہلو اور دوسرا ماورائی...... ان تاشوں کا تعلق انسانی مقدر کے ماورائی پہلو سے ہے۔ یہ ہر شخص کے لاشعور اور ماورائیت کے ساتھ یوں ہم آہنگ ہیں جیسے کسی آئینے کے سامنے آپ کھڑے ہوں اور اس میں ہو بہو آپ کا عکس نظر آئے۔ آپ کے علم میں ہوگا کہ اسرار میں ملفوف یا مافوق الفطرت واقعات کس قدر پراسرار، ہولناک اور دہشت انگیز ہوتے ہیں۔ ان کی کوئی توجیہہ پیش کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ ان کے متعلق پیش گوئی بھی آسان نہیں ہوتی۔ بعض لوگ ان پر یقین ہی نہیں رکھتے لیکن ایسے واقعات مستقبل کی گہری دُھند میں پوشیدہ رہ کر انسان پر حملہ کرنے کے لئے پر تول رہے ہوتے ہیں۔ پھر وہ لمحہ بھی آن پہنچتا ہے جب یکدم ہی انسان پر پراسرار قوتیں یلغار کر دیتی ہیں۔ جس پر بھی یہ گھڑی آتی ہے، کسی قیامت سے کم نہیں ہوتی لیکن ہونی ہو کر رہتی ہے۔ ان پتوں کے ذریعے ہر انسان ایسے ہی آئندہ لمحوں کے بارے میں قبل از وقت جان سکتا ہے۔ وہ اس خوف، دہشت اور ہولناکی سے آگاہ ہو سکتا ہے جو مستقبل میں اس پر نازل ہونے والی ہے۔'' سب لوگ اُس کی باتوں میں اس طرح گم تھے گویا اس نے ان سب کو ہپناٹائز کر دیا ہے۔

سب سے پہلے نوجوان امریکی نے سکوت توڑا۔ اُس نے قدرے طنزیہ لہجے میں کہا۔ ''بڑے میاں! اب کوئی نئی کہانی لے آئیے، مستقبل کی پیش گوئی...... اونہہ وہی گھسی

پی باتیں۔ بھلا یہ تاش کے پتے کسی کے مستقبل میں آنے والے ہولناک واقعات کی پیش گوئی کس طرح کر سکتے ہیں؟''

''ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔'' بوڑھے نے کہا۔ ''آپ میں سے جو بھی مستقبل کا پتہ چلانا چاہے، وہ تین مرتبہ ان تاشوں کو ہاتھ لگائے۔ پھر انہیں پھینٹ کر چار پتے نکالے جائیں گے۔ یہی چار پتے مستقبل کا مکمل نقشہ پیش کر دیں گے اور پانچواں پتا اس شخص کو ان ہولناک واقعات سے جان بچانے کا طریقہ بھی بتاتا ہے۔ بشرطیکہ ان واقعات سے جان بچانا ممکن ہو۔''

ایڈی مارش نے منہ بناتے ہوئے کہا۔ ''یہ شعبدے بازی کے علاوہ کچھ نہیں جو ہم کئی بار دیکھ چکے ہیں، سب بے بنیاد باتیں ہیں۔''

''ہوسکتا ہے، ان میں کچھ سچائی بھی ہو۔'' جم نے کہا۔

''ناممکن......!'' ایڈی مارش نے کہا۔ ''سب فرضی باتیں ہوتی ہیں...... من گھڑت۔ جن کا حقیقت سے دُور کا بھی تعلق نہیں ہوتا۔ یہ جو پراسرار اور ماورائی قوتوں کا مالک ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، سب فراڈ ہوتے ہیں۔''

''میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں دوستو!'' بوڑھے نے معتدل لہجے میں کہا۔ ''یہ تاشوں والا معاملہ کسی قسم کی دھوکا بازی نہیں ہے۔ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں، آزمائش شرط ہے۔ آپ میں سے کون اپنے مستقبل کے بارے میں جاننے کا خواہشمند ہے؟'' بوڑھے نے وہ تاش ایڈی مارش کی طرف بڑھا کر اسے تیز نظروں سے گھورتے ہوئے کہا۔ ''لیجئے، آپ ہی آزمالیں......''

''چھوڑیئے بڑے میاں......!'' ایڈی مارش نے تاشوں کو نظر انداز کرتے ہوئے نخوت سے کہا۔ ''اب ان فرسودہ طریقوں پر کوئی یقین نہیں رکھتا۔ یہ ڈرامہ بازی چھوڑ کر کوئی اور دھندہ شروع کرو۔''



بوڑھے شیرک نے ایڈی مارش کی بات کا قطعاً برا نہیں منایا۔ البتہ جم ڈاسن کو اس کی بدتمیزی پر سخت غصہ آیا۔ اسے یہ بات اچھی نہیں لگی تھی کہ ایک بزرگ شخص سے ایسے گستاخانہ انداز میں بات کی جائے۔ کم سے کم عمر کا لحاظ تو ضروری تھا۔ اُس نے کشیدگی کی فضا کم کرنے کی خاطر کہا۔ ''لایئے جناب! ان پتوں کو کوئی اور نہیں آزماتا تو میں ہی آزمالیتا ہوں۔''

''ایک بار پھر سوچ لیں۔'' بوڑھے شیرک نے کہا۔ ''مستقبل کے ہولناک واقعات کے متعلق جان کر آپ خوفزدہ تو نہیں ہوں گے؟''

بوڑھے کی یہ بات سن کر ایڈی مارش نے بلند آہنگ قہقہہ لگایا۔ جم نے اُسے گھور کر دیکھا اور بوڑھے کو جواب دیا۔ ''نہیں۔ آپ بے فکر رہیں۔ میں ایسی باتوں سے گھبرانے والا نہیں ہوں۔'' درحقیقت اُسے نجومیوں کی باتوں پر کوئی اعتقاد ہی نہیں تھا وہ تو محض بوڑھے شیرک کا دل رکھنے کے لئے یہ سب کچھ کر رہا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ مستقبل پر پڑے دبیز پردے کو اٹھا کر اندر کا منظر کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ تاہم وہ کسی حد تک مافوق الفطرت قوتوں کے وجود کا قائل تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ بعض اوقات ایک معمولی سا واقعہ بھی انسانی زندگی پر بڑے گہرے اور دیرپا نقوش چھوڑ جاتا ہے۔ یہ سوچتے سوچتے جم ڈاسن اپنے ماضی میں کھو گیا۔ والدین کی موت نے اُس کی زندگی کا رُخ ہی بدل دیا تھا۔ اگر وہ آج زندہ ہوتے تو شاید وہ بھی اپنے آبائی علاقے میں اپنی زمینوں کی دیکھ بھال کر رہا ہوتا اور اپنی آبائی حویلی ''ڈاسن محل'' میں مقیم ہوتا۔ لیکن والدین کی موت کے بعد اس نے ساری زمینیں ''ڈاسن محل'' سمیت فروخت کر دیں اور آج کل ماہر تعمیرات کے طور پر کام کر رہا تھا۔ اُسے اب بھی اپنا آبائی شہر اور ''ڈاسن محل'' بہت یاد آتا تھا۔ اس کی بڑی وجہ وہی سانولی سلونی خاتون تھی جس نے ڈاسن محل خریدا تھا۔ جم کی اس سے ملاقات صرف ایک مرتبہ ہوئی تھی وہ بھی ڈاسن محل کی فروخت کے سلسلے

میں، لیکن اب بھی اُس کے دل میں اس سانولی حسینہ سے ملاقات کی خواہش چٹکیاں لیتی رہتی تھی۔

"انہیں تین مرتبہ ہاتھ لگایئے۔" بوڑھے شیرک نے تاش کی گڈی اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا تو جم ڈاسن چونک کر خیالات کی بھول بھلیوں سے نکل آیا۔ لمحے بھر کے تذبذب کے بعد اس نے تین مرتبہ تاش کے پتوں کو ہاتھ لگایا اور کن انکھیوں سے ڈبے میں بیٹھے مسافروں کو دیکھا جو زیرلب مسکرا رہے تھے۔

بوڑھے شیرک نے تاش کے پتے اچھی طرح پھینٹے۔ سب لوگ بڑی دلچسپی سے دیکھ رہے تھے۔ جم ڈاسن تاش کے پتوں پر نظریں جمائے بیٹھا تھا۔ اسے وہ تاش کے پتے بوڑھے کے ہاتھوں کی جنبش سے پہلے ہی لرزتے محسوس ہو رہے تھے جیسے وہ خود بخود کسی خاص ترتیب میں اکٹھا ہونا چاہتے ہوں۔ اُس نے سر جھٹک کر سوچا۔ "یہ میرا وہم ہے۔ ان بے جان پتوں کو متحرک دیکھنے میں سراسر میری نظروں کا قصور ہے۔"

پھر بوڑھے شیرک نے اوپر کے چار پتے اٹھا کر سیدھے کر دیئے۔ پہلے پتے پر ایک یکے کی تصویر تھی جسے کئی گھوڑے کھینچ رہے تھے۔ دوسرے پتے پر ایک راہبہ کی تصویر تھی جو ایک چٹان پر کھڑی آسمان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ تیسرے پر دو انتہائی خوفناک درندے چاندنی میں کھڑے تھے۔ وہ دونوں اس انداز میں منہ کھولے کھڑے تھے جیسے غیظ وغضب کے عالم میں غرا رہے ہوں۔ چوتھے پتے میں ایک نوجوان لڑکی اور ایک بھیڑیا کسی نادیدہ ہستی کی طرف خونخوار نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

جم نے تاش کے ان پتوں کو دیکھتے ہوئے سوچا۔ کوئی بھی اختراع پسند شخص ان تصویروں کی مدد سے کسی بھی ہیبت ناک کہانی کو جنم دے سکتا ہے۔ اسے یہ ایک دلچسپ کھیل محسوس ہوا۔ اس کا خیال تھا کہ اب ڈاکٹر شیرک ان پتوں کی مدد سے کوئی ایسی من گھڑت کہانی تراش لے گا اور اصرار کرے گا کہ مستقبل میں یہ کہانی حقیقت میں بدل



جائے گی۔ اُس نے تصویروں سے نظر ہٹا کر بوڑھے شیرک کو دیکھنا چاہا لیکن دوسرے ہی لمحے اُس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اُس کی نظریں تصویروں سے نہیں ہٹ رہی تھیں۔ اُسے محسوس ہونے لگا کہ تصویریں جسامت میں بڑی ہونے لگی ہیں۔ گویا وہ پتوں پر چھپی بے جان تصویریں نہیں بلکہ جیتی جاگتی چیزیں ہوں... متحرک اور جاندار....!

"مجھے کیا ہو رہا ہے؟" جم نے سوچا۔ "شاید میرا دماغ چکرا رہا ہے ورنہ یہ بے جان تصویریں متحرک کیونکر ہو سکتی ہیں؟ یہ لڑکی...... یہ درندے......"

اور اب وہ متحرک تصویریں جم ڈاسن کے سامنے ایک ایسی داستان پیش کر رہی تھیں جسے وہ ہرگز دیکھنا نہیں چاہتا تھا لیکن اب یہ اس کے بس کی بات نہیں رہی تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے گویا فلم سی چلنے لگی۔ مناظر بدلنے لگے۔ دھیرے دھیرے وہ ان مناظر میں جذب ہوتا چلا گیا جیسے وہ بھی اس کا ایک کردار ہو۔ انہی کرداروں کے ساتھ چل پھر رہا ہو۔ اس نے خود کو اس سحر سے آزاد کرانے کے لئے بہت ہاتھ پاؤں مارے لیکن کامیاب نہ ہو سکا۔ اُس کا سر چکرا رہا تھا۔ پھر وہ تصور میں چلنے والی فلم کے مناظر میں جذب ہوتا چلا گیا۔ وہ سحر و اسرار کی گہرائیوں میں اترتا جا رہا تھا جہاں ہولناک واقعات کا ایک سلسلہ اُس کا منتظر تھا۔



جم ڈاسن، ایڈنبرا میں اپنے دفتر میں بیٹھا تھا اور خاصی بوریت محسوس کر رہا تھا۔ آخر وہ اٹھ کر ساتھ والے کمرے میں اپنے پارٹنر جیکب کے پاس چلا گیا جو اس وقت فون پر کسی سے گفتگو کر رہا تھا۔ فون بند کرتے ہی جیکب نے میز کی دراز سے ایک لفافہ نکالا اور اسے جم کی طرف بڑھاتے ہوئے بولا۔ "تمہارے نام اس عورت کا خط آیا ہے جس کے ہاتھوں تم نے اپنی حویلی فروخت کی تھی۔"

جم کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ وہ عورت، مسز مورگن بیوہ اور بے حد حسین، بے

چاری کم عمری میں ہی بیوہ ہوگئی تھی۔ اُس نے سوچا۔ نہ جانے کس سلسلے میں مسز مورگن نے اسے خط لکھا تھا۔ وہ بے تابی سے خط کھولنے لگا تو جیکب نے کہا۔ ''وہ ڈاسن محل میں کچھ تبدیلیاں کرنا چاہتی ہیں اور تم سے مشورہ طلب کیا ہے۔''

لیکن جم خط پڑھنے میں اس قدر منہمک تھا کہ اُس نے جیکب کی بات سنی ہی نہیں۔

مسز مورگن نے اپنے مختصر سے خط میں لکھا تھا کہ وہ ڈاسن محل میں اپنی ضرورت کے مطابق چند تبدیلیاں کرانا چاہتی ہے اور چونکہ وہ جم ڈاسن کا آبائی مکان ہے چنانچہ وہی اس معاملے میں ماہر تعمیرات کے طور پر اس کی بہتر مدد کر سکتا ہے۔

''لیکن وہ کیا تبدیلیاں کرانا چاہتی ہے؟ اس نے اس بارے میں تو کچھ لکھا ہی نہیں؟'' جم بولا۔

''اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔'' جیکب نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''ایک خوبصورت نوجوان بیوہ تمہیں بلوا رہی ہے۔ اگر اُس نے مجھے بلوایا ہوتا تو میں اب تک وہاں پہنچ چکا ہوتا۔''

درحقیقت جم بھی یہی سوچ رہا تھا کہ اُسے پر لگ جائیں اور اُڑ کر وہاں پہنچے۔ نہ جانے کیوں اس عورت کا چہرہ اُس کے دل میں نقش ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ ایک ہی ملاقات میں اُسے دل دے بیٹھا تھا۔ اُس نے اس عورت سے اظہارِ محبت نہیں کیا تھا...... اس کا موقع ہی نہیں آیا تھا لیکن دل ہی دل میں وہ اس سے محبت کرنے لگا تھا۔ اپنے چھوٹے سے آبائی شہر سے آنے کے بعد بھی وہ اکثر اسی کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔ انہی سوچوں میں یہ سوچ بھی شامل تھی کہ آخر مسز مورگن جیسی خوبصورت عورت نے خود کو دنیا کی رنگینیوں سے الگ تھلگ کر کے چھوٹے سے گمنام شہر تک کیوں محدود کر لیا ہے؟ وہ چھوٹا سا شہر زندگی کی رنگینیوں سے محروم ایک سادہ سا مقام تھا جہاں مسز مورگن نے مستقل رہائش کا فیصلہ کر لیا تھا اور اسی لئے اس نے جم ڈاسن کی آبائی حویلی خریدی تھی۔



اب وہ اس میں مزید تبدیلیاں بھی کرا رہی تھی۔

''اس کا مطلب ہے میں فرم کی طرف سے دورے پر روانہ ہو جاؤں۔'' جم نے جیکب سے پوچھا۔

''کاروباری دورے پر......!'' جیکب نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''وہاں عشق لڑانے مت بیٹھ جانا۔ فرم تمہیں عشق و محبت کے معاملات میں اپنے اخراجات پر نہیں بھیج سکتی۔ کام ختم کر کے فوراً واپس آ جانا۔ پھر اپنے خرچے پر جب چاہو عشق لڑانے چلے جانا۔''



جم ڈاسن اپنے آبائی مکان کی طرف جاتے ہوئے عجیب سے ملے جلے جذبات کا شکار تھا۔ اُسے اس بات کی خوشی تھی کہ وہ ایسی جگہ جا رہا ہے جس کے چپے چپے سے کئی خوشگوار یادیں وابستہ تھیں اور دُکھ اس بات کا تھا کہ اب وہ جگہ اس کی نہیں رہی تھی۔ وہ وہاں مہمان کے طور پر جا رہا تھا اور مسز مورگن سے ملنے کے تصور سے اُس کا دل ایک لطیف سی لے پر دھڑک رہا تھا۔

بگھی میں بیٹھ کر وہ بالآخر ڈاسن محل تک پہنچ گیا۔ باہر سے مکان بالکل ویسا ہی تھا جیسے چند سال پہلے وہ چھوڑ گیا تھا۔ ماحول میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔ البتہ مالک مکان ضرور تبدیل ہو گیا تھا اور یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ شاید صدیوں بعد یہ حویلی ڈاسن خاندان سے باہر کسی اور کی ملکیت ہوئی تھی۔

جم بگھی سے اتر کر دروازے کی طرف بڑھا اور کال بیل بجائی۔ اس حویلی کے دروازے پر کھڑے ہو کر کال بیل بجانا اُسے بہت عجیب سا لگا۔ اس دروازے سے اندر داخل ہونے کے لئے جم کو کبھی کال بیل بجانا نہیں پڑی تھی لیکن اب...... وہ مالک نہیں مہمان تھا۔ وقفے وقفے سے تین بار کال بیل بجانے کے بعد بھی اندر سے کوئی نہ نکلا تو

اُس نے اندر داخل ہونے کا فیصلہ کرلیا۔ چند منٹ تک مزید انتظار کرنے کے بعد اُس نے بھاری چوبی دروازے کو دھکیلا تو وہ کھلتا چلا گیا اور جم اندر داخل ہوگیا۔ یکدم اُس کے شانے پر کسی کا ہاتھ آ پڑا۔ ''رُک جاؤ۔''

جم نے چونک کر پیچھے دیکھا۔ ''ارے...... جوزف! کیسے ہو؟'' اُس نے اس بوڑھے کو پہچان لیا تھا۔ وہ ان کا پرانا ملازم تھا۔ لیکن جم نے کبھی اسے ملازم نہیں سمجھا۔ عمروں کے واضح تفاوت کے باوجود اُن کے تعلقات خاصے دوستانہ رہے تھے۔

''مسٹر جم! آپ؟'' اُس کا جھریوں بھرا چہرہ کھل اٹھا تھا۔ اس نے گرمجوشی سے مصافحہ کرتے ہوئے کہا۔ ''مجھے تو آپ کی آمد کی خبر ہی نہیں تھی۔ اچانک کیسے چلے آئے؟ بغیر کسی اطلاع کے۔''

''تمہاری نئی مالکن نے اس مکان میں چند تبدیلیاں کرنے کی خواہش ظاہر کی ہے اور اسی سلسلے میں میری خدمات حاصل کی ہیں۔ کیا اس وقت وہ گھر پر ہیں؟''

''جی ہاں۔ مسز مورگن اندر ہی ہیں۔''

''اُن کے ساتھ اور کون رہتا ہے؟'' جم نے پوچھا۔

''مسز مورگن تو اکیلی ہی رہتی ہیں۔ البتہ میری پوتی میرے ساتھ یہاں رہتی ہے...... وہ تو آپ کو یاد ہے نا؟''

''ہاں ہاں، کیوں نہیں۔ کیسی ہے جولیا؟'' جم نے پوچھا۔

''ٹھیک ہے۔'' کہہ کر جوزف نے جولیا کو آواز دی۔ ایک طرف کا دروازہ کھلا اور ایک اُنیس بیس سالہ، دلکش نقوش والی ایک خوبصورت لڑکی نمودار ہوئی۔ اُس کے چہرے پر اُداسی ہلکورے لے رہی تھی۔ ''اُف...... یہ لڑکیاں کتنی جلدی بڑی ہو جاتی ہیں۔'' جم نے سوچا۔ اس کے ذہن میں جولیا کا تصور چھوٹی سی معصوم بچی کا تھا۔ صرف چند سالوں میں ہی جولیا بھرپور اور جوان لڑکی کا روپ دھار چکی تھی۔



''جولی، کیا مادام اپنے کمرے میں ہیں؟'' جوزف نے پوچھا۔

''جی ہاں۔'' جولیا نے مختصر سا جواب دیا۔

''جولیا، تم نے شاید مجھے پہچانا نہیں۔'' جم نے کہا لیکن جولیا جواب دیئے بغیر مڑ گئی اور جم کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ اُس نے کندھے اچکائے اور جولیا کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔

طویل و تاریک راہداری میں کچھ دیر چلنے کے بعد ایک روشن حصے میں چند صوفے رکھے تھے۔ جن کی ترتیب اور وہاں کی آرائش میں کافی تبدیلیاں آ چکی تھیں۔ جم نے آرائشی اشیاء کا جائزہ لیا۔ وہ یقیناً کسی بڑے شہر سے خریدی گئی تھیں۔ کیونکہ اس شہر میں تو ان اشیاء کی دستیابی ناممکن تھی۔ قدموں کی آہٹ سن کر اُس نے پلٹ کر دروازے کی طرف دیکھا۔ مسز مورگن کمرے میں داخل ہو رہی تھی۔

''ہیلو مسٹر جم!'' اُس نے آگے بڑھ کر قدرے بے تکلفی سے جم سے مصافحہ کیا۔
''بہت جلدی آ گئے آپ۔''

جم اُس کے حسین چہرے کو دیکھتا ہی رہ گیا۔ مسز مورگن کی صحت پہلے سے خاصی اچھی ہو گئی تھی۔ لیکن جم کو اُس کی بے تکلفی اور لہجے کی گرمجوشی کچھ مصنوعی سی لگی۔

''دراصل میں ان تبدیلیوں کے بارے میں جاننے کے لئے بے چین تھا اور مجھے کچھ فرصت بھی تھی۔'' جم نے جواب دیا۔ حالانکہ وہ محض اُسے دیکھنے، اُس کا قرب حاصل کرنے کے لئے آیا تھا۔

مسز مورگن نے جولیا سے کہا۔ ''مسٹر جم کے لئے مہمان خانہ صاف کرا دو۔'' وہ انتہائی بے دلی سے وہاں سے چلی گئی۔

''آیئے مسٹر جم! میں آپ کو وہ ضروری کام بتا دوں جس کے لئے میں نے آپ کو تکلیف دی ہے۔'' مسز مورگن نے ڈرائنگ روم کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ ڈرائنگ

روم میں ڈاسن خاندان کی اہم خاندانی تقریبات منعقد ہوا کرتی تھیں۔ اب ڈرائنگ روم میں فرنیچر برائے نام تھا اور عجیب بدنما سا لگ رہا تھا۔

''میں چاہتی ہوں کہ درمیانی دیوار گرا کر ساتھ والا کمرہ بھی اس کمرے سے ملا دیا جائے تاکہ یہ بڑا ہال بن جائے اور ڈانس پارٹیوں وغیرہ کے لئے کارآمد ہو سکے۔''

جم نے سوچا کہ اگر اسے ڈانس ہال بنا بھی دیا جائے تب بھی اس چھوٹے سے شہر سے مدعو کئے جانے کے قابل لوگ کہاں سے آئیں گے۔ یہ کام اُسے بڑا غیر ضروری سا لگا تاہم اُس کے پیشہ ورانہ فرض کا تقاضہ تھا کہ وہ مسز مورگن کے منصوبے پر غور کرے۔

''میں نے خاص طور پر آپ کی رائے اس لئے بھی لینا چاہی ہے کہ آپ اس گھر کے مالک رہ چکے ہیں اور اس کے متعلق تمام تفصیلات سے آگاہ ہیں۔ آپ بہتر مشورہ دے سکتے ہیں کہ درمیانی دیوار کو ہٹانا ممکن ہے یا نہیں۔''

''دراصل یہ مکان بڑا پرانا تعمیر شدہ ہے۔ اس لئے فوری طور پر میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ بہرحال، میں سوچ کر کوئی مشورہ دے سکوں گا۔''

''ٹھیک ہے، کوئی ایسی جلدی بھی نہیں۔'' مسز مورگن نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''اب آپ آرام کیجئے۔ اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو جوزف یا جولیا کو بلا لیجئے گا۔ میں ذرا شاپنگ کے لئے بازار تک جا رہی ہوں۔''

مسز مورگن چلی گئی تو جم اسی کے متعلق سوچتا رہا۔ ''اس پرانے مکان پر اتنی رقم خرچ کر کے وہ کہیں حماقت تو نہیں کر رہی۔ ہوسکتا ہے کسی دن وہ یہاں کی خاموشی اور تنہا زندگی سے اُکتا جائے اور ڈاسن محل کو بیچ کر کسی شہر میں رہنا چاہے...... لیکن اس مکان کو خریدنے کی حماقت کون کرے گا؟''

اچانک اُس کی نظر طویل راہداری کے آخری سرے پر کھڑی جولیا پر پڑی۔ وہ بڑے پراسرار انداز میں اُسی کی جانب دیکھ رہی تھی۔ اُس نے سوچا۔ آخر یہ لڑکی ایسی عجیب و



غریب حرکتیں کیوں کر رہی ہے۔ وہ اس سے کچھ کہنے کے لئے آگے بڑھا مگر وہ لمحے بھر میں کسی چھلاوے کی طرح تاریک ماحول میں غائب ہوگئی۔



جم نے اپنا کام شروع کر دیا۔ وہ دیواروں کی پیمائش کر رہا تھا تاکہ دیوار ہٹانے کے مالی اخراجات کا تخمینہ لگا سکے۔ اُس نے دیکھا کچن کی طرف جانے والے راستے اور دیوار کا سارا پلستر بالکل اُکھڑ چکا تھا۔ نوٹ بک میں یہ تمام پیمائش درج کر لینے کے بعد اس نے تہہ خانے کی دیواروں کو چیک کرنا چاہا اور کچن کے دروازے کی طرف بڑھا۔ اسے معلوم تھا کہ تہہ خانے کے دروازے کی چابی ہمیشہ کچن میں ایک کیل میں ٹنگی رہتی تھی۔ لیکن اب وہاں چابی موجود نہیں تھی۔ اس نے جولیا کو آواز دی۔

چند لمحوں بعد جولیا نمودار ہوئی۔ ''جی مسٹر جم! فرمائیے۔'' اُس نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔ لیکن اُسے اُس کا یہ انداز بھی مصنوعی سا لگا۔

''تمہیں تہہ خانے کی چابی کے بارے میں معلوم ہے؟''

''نہیں...... مجھے نہیں معلوم۔'' جولیا نے قدرے بے پروائی سے کہا۔ جم کے لئے انازہ لگانا ناممکن تھا کہ وہ سچ کہہ رہی ہے یا جھوٹ۔

''اچھا...... ذرا جلدی سے جوزف کو بلا لاؤ۔''

جولیا پلٹی اور دھیرے دھیرے قدم اٹھاتی باہر چلی گئی۔ اُس کے انداز سے سستی اور کاہلی نمایاں تھی۔ جم ایک طویل سانس لے کر تہہ خانے کے دروازے کو چیک کرنے لگا۔ اُسے محسوس ہوا جیسے اس دروازے کو مدتوں سے نہیں کھولا گیا۔ تھوڑی دیر بعد جوزف بھی آ گیا۔

''وہ چابی تو عرصہ ہوا کہیں گم ہوگئی۔'' جوزف نے جم کے استفسار پر بتایا۔ ''لیکن دوسری چابی میرے پاس موجود ہے۔'' اُس نے جیب سے چابی نکال کر جم کی طرف

بڑھا دی۔

''وہ چابی کب سے غائب ہے؟'' جم نے پوچھا۔

''معلوم نہیں جناب! ہم لوگ تو ایک عرصے سے تہہ خانے کی طرف گئے ہی نہیں۔''

جم نے تالے میں چابی ڈال کر گھمائی۔ اُس کا خیال تھا کہ زنگ آلود تالا بڑی مشکل سے کھلے گا لیکن وہ پہلی ہی کوشش میں فوراً کھل گیا۔ جم نے مشکوک انداز میں تالے کے سوراخ کو دیکھا اور بولا۔ ''تالے میں تیل کس نے ڈالا ہے جبکہ بقول تمہارے تہہ خانے کو عرصے سے نہیں کھولا گیا۔''

''تیل......؟'' جوزف حیرت سے بولا۔ ''پتہ نہیں...... میں نے تو نہیں ڈالا۔''

جولیا قریب ہی کھڑی تھی جم نے اُس سے پوچھنا چاہا لیکن یہ سوچ کر خاموش رہا کہ معمولی سی بات کی اتنی تفتیش کی بھلا کیا ضرورت ہے۔ وہ جوزف سے بولا۔ ''ذرا ٹارچ تو لانا۔''

جوزف ''جی بہتر'' کہہ کر کچن کی طرف بڑھ گیا اور ٹارچ لا کر جم کو تھما دی۔ ایک ہاتھ میں ٹارچ اور دوسرے ہاتھ میں ایک آہنی سلاخ لے کر وہ تہہ خانے کی سیڑھیاں اُترنے لگا۔ اُس نے آہنی سلاخ اس لئے اٹھائی تھی کہ تہہ خانے کی دیواروں پر ضرب لگا کر ان کی مضبوطی کا اندازہ کر سکے۔ صدیوں پرانی دیواریں اب بھی درست حالت میں تھیں۔ ٹارچ کی روشنی اندھیرے تہہ خانے میں دیوار کا ایک حصہ روشن کرتی چلی گئی۔ جم دیوار کے مختلف حصوں پر سلاخ سے ہلکی ہلکی ضربیں لگا کر چیک کرتا گیا۔ ایک جگہ اُسے دیوار کا پلستر اُکھڑا ہوا نظر آیا تو جم نے سلاخ زمین پر رکھ کر ہاتھ سے اس جگہ کو ٹٹولا۔ اُسے شدید حیرت کا جھٹکا لگا۔ اُسے یوں محسوس ہوا جیسے حال ہی میں وہاں سے پلستر اُکھاڑ کر اینٹیں ہٹائی گئی ہوں، اور پھر بغیر سیمنٹ لگائے دوبارہ اینٹیں رکھ دی گئی ہوں۔



جم نے اس جگہ کا غور سے جائزہ لیا۔ اُس نے دو تین اینٹوں کو باہر کھینچا تو ٹارچ کی روشنی میں اُسے دیوار کے اندر خلاء میں ایک پتھر کے صندوق کا کونا نظر آیا جس پر بڑی بھیانک تصویر بنی ہوئی تھی۔ تصویر میں ایک ایسے آدمی کا چہرہ نظر آ رہا تھا جس کے خدوخال میں بھیڑیئے کی مشابہت تھی۔ وہ ایک بے حد کریہہ چہرہ تھا جیسے کوئی انسان جادو کے زور پر بھیڑیئے کا رُوپ دھارنے ہی والا ہو۔

''جوزف!'' جم نے قدرے بلند لہجے میں پکارا۔ جب جوزف اُس کے قریب آیا تو اُس نے پوچھا۔ ''اس چیز کے بارے میں کچھ جانتے ہو کہ یہ کیا ہے؟''

''ارے...... یہ...... یہ تو سامر کا تابوت ہے۔''

''اوہ......تو یہ ہے وہ تابوت جس کے بارے میں ہمارے خاندان میں اتنی حکایتیں مشہور تھیں۔'' جم نے متحیرانہ لہجے میں کہا۔ اُس نے اس تابوت کے بارے میں بہت سی باتیں سن رکھی تھیں۔ اُس کے خاندان میں کوئی شخص بھی سامر سے ناواقف نہیں تھا۔ گزشتہ چالیس پچاس سال سے اس بات کو افسانے سے زیادہ حیثیت نہیں دی جا رہی تھی۔ لیکن اس سے پہلے کے خاندان بھر کے لوگوں کو اس روایت پر یقین تھا۔ مختلف لوگوں کی زبانی اس کہانی میں بہت زیادہ مبالغہ آمیزی اور رنگ آمیزی ہو چکی تھی لیکن حقیقت بہت سادہ تھی۔

سامر ایک عام سا آدمی تھا۔ جس کا دعویٰ تھا کہ دراصل ڈاسن محل اور اس سے ملحقہ زمینیں اس کی ملکیت ہیں اور ڈاسن خاندان نے اس پر غاصبانہ قبضہ کر رکھا ہے۔ سامر کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ کچھ پراسرار قوتوں کا مالک ہے۔ اس نے ڈاسن خاندان کو دھمکی دی تھی کہ وہ اگر زندگی میں نہیں تو مرنے کے بعد ضرور ''سامر منزل'' کو ڈاسن خاندان کے قبضے سے حاصل کر کے دم لے گا۔ اُس کا دعویٰ تھا کہ موجودہ ڈاسن محل ''سامر منزل'' ہے اور سامر کی ملکیت تھی۔ ڈاسن خاندان نے اس پر قبضہ کر کے اس کو

"ڈاسن محل" کا نام دے دیا تھا۔

سامر کی اس دھمکی کے بعد چند دنوں میں ہی ڈاسن خاندان کے کئی افراد یکے بعد دیگرے بڑے پراسرار انداز میں مُردہ پائے گئے۔ ان تمام مرنے والوں کی گردن پر کسی خوفناک وحشی درندے کے پنجوں کے نشانات تھے۔ اس پر ڈاسن خاندان کے بااثر افراد نے سامر پر بھیڑیا ہونے کا الزام لگایا اور اس جرم میں اُسے موت کی سزا دی گئی تھی۔ ڈاسن خاندان کے اس الزام کو درست تسلیم کر لیا گیا تھا کہ سامر چونکہ پراسرار قوتوں کا مالک ہے اس لئے ضرورت پڑنے پر بھیڑیئے کا رُوپ دھار کر ڈاسن خاندان کے افراد پر حملہ آور ہو کر انہیں قتل کر چکا ہے۔

مرتے وقت بھی اُس نے اپنے اس دعوے کو دہرایا کہ وہ ضرور سامر منزل کے مالک کی حیثیت سے ڈاسن خاندان سے انتقام لے گا۔ پھر یہ افواہیں گردش کرنے لگیں کہ سامر کی رُوح کسی نہ کسی فرد کے جسم میں حلول کر کے ڈاسن خاندان سے انتقام لینے کے لئے موقع کی تلاش میں رہتی ہے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس حقیقت کو محض افسانہ سمجھ کر نظر انداز کیا جانے لگا۔ اس وقت جم کے ذہن میں یہی خیال آیا کہ ممکن ہے ڈاسن خاندان کے کسی فرد سے سامر کا جھگڑا ہو گیا ہو اور سامر کو قتل کر کے اُس کی لاش تہہ خانے کی دیوار میں چنوا دی گئی ہو۔ اس کے علاوہ اُس کا ذہن کسی پراسرار واقعے کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھا۔

"مجھے آج تک معلوم نہیں ہو سکا کہ سامر یہاں دفن ہے۔" جم نے سر جھٹک کر کہا۔

"یہ تو میرے علم میں بھی نہیں تھا جناب!" جوزف نے کہا۔ "کبھی آپ کے والد نے بھی اُس کا ذکر نہیں کیا۔"

"اچھا، آؤ ذرا میری مدد کرو۔ یہ تابوت نکال کر دیکھیں تو سہی۔" جم نے کہا اور دونوں نے مل کر دیوار کا شگاف کچھ چوڑا کیا اور بھاری تابوت نکال لیا۔ وہ خاصا وزنی



تابوت تھا۔ اسے تہہ خانے کے فرش پر رکھ کر ان دونوں نے اسے کھولنے کی بڑی کوشش کی لیکن دونوں اس میں کامیاب نہ ہو سکے بلکہ اس کوشش میں آہنی سلاخ بھی ٹوٹ گئی۔

"اسے کھولنے کے لئے کوئی اور چیز لانی پڑے گی۔" جم نے کہا اور وہ دونوں سیڑھیاں چڑھ کر تہہ خانے سے باہر آ گئے۔ تہہ خانے کا دروازہ بند کرتے ہوئے جم سوچ رہا تھا کہ کہیں مسز مورگن بازار سے واپس نہ آ گئی ہو اور تہہ خانے سے آتی شور و غل کی آوازیں سن کر پریشان نہ ہو جائے لیکن وہ ابھی بازار سے نہیں لوٹی تھی۔ چنانچہ اُس کی طرف سے مطمئن ہو کر اُس نے ایک ہتھوڑا اور آہنی سلاخ لی اور تہہ خانے کی طرف چل دیا۔ بوڑھا جوزف بادل ناخواستہ اُس کے ساتھ چل رہا تھا۔

دفعتہً وہ دونوں ٹھٹھک کر رُک گئے۔

اُن کے سامنے تہہ خانے کا دروازہ کھلا ہوا تھا جبکہ جم کو اچھی طرح یاد تھا کہ اُس نے دروازہ بند کر دیا تھا۔ اُس نے اُلجھی نظروں سے جوزف کی طرف دیکھا جس کے چہرے پر سراسیمگی کے آثار نمایاں تھے۔ "دروازہ کس نے کھول دیا......؟" جم بڑبڑاتا ہوا تہہ خانے کی سیڑھیوں کی طرف بڑھا۔ جوزف گویا اُس کے ساتھ گھسٹ رہا تھا۔ وہ دونوں تہہ خانے میں داخل ہو گئے۔ جم نے تہہ خانے میں ٹارچ کی روشنی پھینکی تو اُنہیں تابوت کا ڈھکنا بند نظر آیا۔ جوزف گھبراہٹ محسوس کر رہا تھا اور اُس کے جسم پر ہلکی سی لرزش طاری تھی۔ جم نے تابوت کے قریب جا کر اُس پر ٹارچ کی روشنی ڈالی اور دوسرے ہی لمحے ٹارچ اُس کے ہاتھ سے گرتے گرتے بچی۔ دفعتہً اُس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور اُسے اپنے جسم میں سردی کی لہر سی سرایت کرتی محسوس ہوئی۔

وہ بالکل واضح اور تازہ بھیڑیئے کے پنجوں کے نشانات تھے جو تابوت سے شروع ہو کر سیڑھیوں کی جانب چلے گئے تھے۔ جوزف وہاں سے بھاگنے کے لئے تیار ہو رہا تھا

اور جم بھی سخت خوفزدہ ہو گیا لیکن حوصلہ کر کے وہ ان قدموں کے نشانات کا تعاقب کرتا ہوا سیڑھیاں چڑھتا چلا گیا اور تہہ خانے سے باہر جا پہنچا۔ ایسے ہی نشانات ہال سے ہوتے ہوئے صاف طور پر بیرونی دروازے کی طرف جا رہے تھے۔ جم بھی اسی طرف بڑھتا گیا۔ پھر اُس نے ایک جھٹکے سے دروازہ کھول دیا۔

باہر جھاڑیوں کے پاس اُسے ایک سایہ سا دکھائی دیا۔ جم کا دل تیزی سے دھڑکا۔ وہ سایہ تیزی سے اُس کی طرف بڑھا۔ جم حقیقتاً دہشت کا شکار ہو چکا تھا۔ سائے کو اپنی طرف بڑھتے دیکھ کر اُس نے اپنی مدافعت میں آہنی سلاخ بلند کی...... لیکن......





دوسرے ہی لمحے اُس کا بلند ہاتھ دھیرے دھیرے نیچے گر گیا۔

''ارے...... مسٹر جم! کیا بات ہے...... خیریت تو ہے؟ آپ کچھ پریشان نظر آ رہے ہیں۔''

جم کو مسز مورگن کی آواز میلوں دُور سے آتی محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے اس پراسرار مخلوق کی تلاش میں چاروں طرف نظریں دوڑائیں جو کچھ دیر قبل تہہ خانے میں موجود تابوت سے نکل کر بھاگی تھی۔ اسے سوائے دیوار کے ساتھ لگی ایک سائیکل کے کچھ نظر نہ آیا۔ سائیکل کے کیریئر پر کئی بنڈل رکھے تھے جنہیں خرید کر مسز مورگن ابھی ابھی لوٹی تھی۔ جوزف نے وہ سامان اندر پہنچانا شروع کر دیا۔

''مسز مورگن! ابھی ابھی آپ نے دروازے سے کسی کو نکلتے دیکھا تھا؟'' جم نے پوچھا۔

''نہیں تو...... کون گیا ہے باہر؟''

جم نے مسز مورگن کو اصل بات بتا کر خوفزدہ کرنا مناسب نہیں سمجھا اور بات ٹال دی۔ اس پر بھی جم کو حیرت ہوئی کہ مسز مورگن نے وہ بات جاننے کے لئے بالکل اصرار نہیں کیا۔ وہ دونوں اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے مکان کے اندر آ گئے۔ جم کا ذہن اُلجھ کر رہ گیا تھا۔ اُس نے سوچا۔

''وہ پراسرار وجود...... خواہ کچھ بھی رہا ہو، بند دروازے سے باہر جا سکتا ہے تو واپس

اندر بھی آسکتا ہے۔"

"ارے!" اندر پہنچتے ہی مسز مورگن کی نظر تہہ خانے کے کھلے دروازے پر پڑی۔

"تہہ خانہ کیسے کھلا ہوا ہے۔ کیا چابی مل گئی آپ کو؟"

"جی ہاں۔ جوزف کے پاس ایک ایکسٹرا چابی موجود تھی۔" جم نے جواب دیا۔

"کیا تہہ خانے میں بھی کچھ کام کرنا پڑے گا؟"

"جی ہاں۔" جم نے جواب دیا۔ "زیادہ نہیں صرف پلستر کروانا پڑے گا۔"

مسز مورگن اپنے کمرے کی طرف جانے لگی تو جاتے جاتے بولی۔ "آپ کچھ آرام تو کر لیتے۔ اتنا طویل سفر کر کے آئے ہیں اور آتے ہی کام میں جت گئے۔"

"بہر حال کام تو کرنا ہی ہے نا۔" جم نے جواب دیا پھر پوچھا۔ "آپ نے جب سے یہ مکان خریدا ہے، آپ تہہ خانے میں جاتی رہی ہیں؟"

"نہیں۔ میں تو آج تک تہہ خانے میں نہیں گئی۔ کبھی ضرورت ہی نہیں پڑی۔ البتہ ایک مرتبہ مزدور وہاں ضرور گئے تھے لیکن آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟"

"بس یونہی..... کوئی خاص بات نہیں۔" جم نے کہا۔

رات کے کھانے تک جم کافی حد تک پُرسکون ہو چکا تھا۔ اس تمام گورکھ دھندے کو وہ اپنے تخیل کا کرشمہ سمجھ کر نظر انداز کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ جولیا انہیں کھانا کھلانے میں مصروف تھی۔ بالکل خاموش اور بے حس۔ سپاٹ چہرہ لئے وہ ان کے سامنے چیزیں رکھتی رہی۔ جم نے سوچا۔ یہ خاموشی اور بے پروائی تو دیہی زندگی کا خاصہ ہے۔ اُس کا ذہن مسز مورگن کے بارے میں سوچے جا رہا تھا۔ وہ اسے ایک بیوہ نہیں بلکہ ایک نوجوان حسینہ کے روپ میں دیکھ رہا تھا۔ اُس کی عمر کچھ زیادہ بھی نہیں تھی۔ جم یہ بھی سوچ رہا تھا کہ اُس کے آنے کے بعد سے اب تک مسز مورگن نے کام کے سلسلے میں کوئی دلچسپی نہیں لی تھی۔ یہ خیال اُس کے دل میں گدگدی سی پیدا کر رہا تھا کہ شاید اس



کے بلانے کی وجہ کچھ اور ہو۔ شاید مسز مورگن تنہائی سے اکتا گئی ہو۔ شاید اس کے دل میں بھی اس کی محبت جنم لے چکی ہو۔ شاید..... شاید......!

لیکن اُس کے رویئے میں تکلف کا عنصر جم کے ذہن میں اُلجھاؤ سا پیدا کر رہا تھا۔ ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھا وہ مسز مورگن کے متعلق ہی سوچتا رہا۔ شاید یہ جھجک اُس کی فطرت میں شامل ہو۔ وہ اُس کی قربت کی خواہشمند تو ہے لیکن فطری حیا اور شرم کے ہاتھوں اس کا اظہار نہیں کر پاتی۔ جم نے سوچا کہ اس معاملے میں اسے ہی پیش قدمی کرنی ہوگی۔

مسز مورگن نے گفتگو کا آغاز کیا تو اس کی نجی اور کاروباری مصروفیات کے بارے میں پوچھتی رہی۔ وہ بھی مسز مورگن سے اُس کی ذاتی زندگی کے بارے میں بہت کچھ جاننا چاہتا تھا لیکن اُسے اتنی مہلت ہی نہیں ملی۔ کھانا ختم ہوا اور مسز مورگن نے اُٹھنے کا ارادہ کیا تو جم نے جرأت سے کام لیتے ہوئے پوچھ ہی لیا۔ "کیا میں آپ سے نجی نوعیت کا سوال پوچھ سکتا ہوں؟"

"ارے اس میں اتنے تکلف کی کیا ضرورت ہے، پوچھئے۔" مسز مورگن نے خوش دلی سے کہا۔

"آپ جیسی خوبصورت لڑکی نے آخر کیوں خود کو اس دیہی، بے رنگ اور خشک ماحول تک محدود کر رکھا ہے۔ یہاں کی زندگی تو بالکل خشک اور سپاٹ ہے۔ یہاں آپ کو تنہائی کا احساس نہیں ہوتا؟"

اس سوال پر مسز مورگن کے چہرے پر ایک سایہ سا لہرا گیا۔ وہ بولی تو اُس کے لہجے میں غم کی آمیزش تھی۔ "دراصل شوہر کی بے وقت اور اچانک موت نے مجھے سخت ذہنی صدمہ پہنچایا تھا۔ میں اُس سے بے پناہ محبت کرتی تھی۔ وہ بھی مجھے بے حد چاہتا تھا۔ اُس کی اچانک جدائی نے مجھے اعصابی طور پر بالکل توڑ پھوڑ کر رکھ دیا۔ مجھ پر اعصابی دورے پڑنے لگے۔ میں بیمار بیمار سی رہنے لگی۔ ڈاکٹروں نے مجھے مکمل آرام

کی ہدایت کی تھی اور مکمل آرام وسکون کے لئے ایسے ہی ماحول کی ضرورت تھی۔ چنانچہ میں یہ مکان خرید کر یہاں رہنے لگی۔ یہاں کی خاموش فضا میرے لئے بہترین ثابت ہوئی ہے۔''

''اوہ...... معاف کیجئے گا۔'' جم نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔ ''میں نے آپ کو ماضی یاد دلا کر دُکھی کیا لیکن...... اب تو شاید آپ یہاں کی زندگی سے اکتا چکی ہیں۔ اس لئے آپ ڈانس ہال بنوا رہی ہیں تاکہ یہاں بھی کچھ شور شرابا اور رونق رہے۔ آپ تنہائی سے فرار چاہتی ہیں؟''

''نہیں۔ ایسی کوئی بات نہیں۔'' مسز مورگن نے کہا۔ ''دراصل میں یہ ہال تقریبات کے لئے نہیں بنوا رہی۔ ڈانس ہال کا لفظ تو میں نے مثال کے طور پر ادا کیا تھا...... کہ اس طرح کا بڑا سا ہال بن جائے۔ دراصل میں اپنے مرحوم شوہر کے ان نوادرات اور عجائبات کو محفوظ رکھنا چاہتی ہوں جو انہوں نے زندگی بھر جمع کئے تھے۔ انہیں عجائبات اور نوادرات سے جنون کی حد تک عشق تھا۔ میں ان کی ان نشانیوں کو ضائع ہونے سے بچانا چاہتی ہوں۔''

اسی لمحے دروازہ کھلا اور جولیا اندر آئی۔ اُس نے ان دونوں کو عجیب سی نظروں سے دیکھا۔ جم کو ان نظروں میں نفرت سی لہریں لیتی محسوس ہوئی۔ جیسے ان دونوں کی قربت اُسے پسند نہ آئی ہو۔ جب وہ بولی تو اُس کے لہجے میں جم کو غراہٹ کا احساس ہوا۔

''میڈم! آپ کو کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟'' جم کو ایک ملازمہ کا، مالکن سے اس طرح کا اندازِ تکلم عجیب سا معلوم ہوا۔ اُس نے سوچا یہاں کا ماحول ہی عجیب اور پراسرار سا ہے۔

''نہیں...... کسی چیز کی ضرورت نہیں۔'' مسز مورگن نے جواب دیا پھر پوچھا۔ ''کیا تم نے مسٹر جم کا بستر لگا دیا ہے؟''



''جی ہاں، لگا دیا ہے اور اب میں اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔'' جولیا نے جم کو کھا جانے والی نظروں سے گھورا اور چل دی۔

''معاف کیجئے گا مسٹر جم!'' مسز مورگن نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔ ''اس لڑکی کا رویہ صرف آپ کے ساتھ ہی نہیں، سب کے ساتھ ایسا ہے۔ یہ لڑکی بڑی بدتمیز، منہ پھٹ اور گستاخ ہے۔''

''کوئی بات نہیں۔'' جم نے کہا۔ ''دراصل یہاں کے لوگوں کی فطرت ہی کچھ ایسی ہے۔ یہ لوگ ذہنی طور پر کسی کے ملازم بننے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔''

دفعتہً باہر سے ایک دلخراش چیخ بلند ہوئی اور چند لمحوں کے لئے پُرسکوت فضا کو پارہ پارہ کر کے ڈوب گئی۔ جم چونک اُٹھا۔ اُس نے پوچھا۔ ''یہ...... یہ چیخ کیسی تھی؟''

''چیخ......! کیسی چیخ؟'' مسز مورگن نے حیرت سے جم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میں نے تو کوئی چیخ نہیں سنی۔''

لیکن جم تیزی سے اُٹھ کر بڑے ہال کی طرف چل دیا۔ ہال خالی پڑا تھا۔ تہہ خانے کا دروازہ بھی بند تھا۔ شاید جوزف یا جولیا نے اسے بند کر دیا تھا۔ جم واپس آیا تو مسز مورگن نے اُسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''کیا بات ہے مسٹر جم! آپ کچھ پریشان نظر آ رہے ہیں۔''

''نن...... نہیں تو۔'' اُس نے مسکرانے کی کوشش کی۔ ''شاید میں سفر کی تھکان محسوس کر رہا ہوں۔'' وہ سوچنے لگا کہ شاید وہ چیخ کسی جنگلی کتے یا بھیڑیئے کے غرانے سے مشابہہ تھی جسے اُس نے واضح طور پر سنا تھا اور حیرت تھی مسز مورگن جو اُس کے قریب بیٹھی تھی اُس نے نہیں سنی۔

''دراصل آپ کافی عرصے سے شہر میں رہ رہے ہیں، اور آج ماحول کی یکسر تبدیلی سے پریشان ہو گئے ہیں۔''

"نہیں، ایسی بھی کوئی بات نہیں۔ میں دراصل اسی ماحول کا پروردہ ہوں اور صرف چند سالوں میں، میں شہری زندگی کا اتنا عادی نہیں ہو سکتا کہ یہ ماحول یکسر اجنبی محسوس ہونے لگے۔" اُس کا ذہن اب بھی اس چیخ کی گتھی میں اُلجھا ہوا تھا۔

"اچھا، میں تو اب سونے جا رہی ہوں۔" مسز مورگن نے اٹھتے ہوئے کہا۔ "دراصل میں یہاں آنے کے بعد جلد سونے کی عادی ہو گئی ہوں۔ اُمید ہے آپ محسوس نہیں کریں گے۔ شب بخیر۔"

وہ وہاں سے رخصت ہو گئی۔ جم تھکن محسوس کرنے کے باوجود ابھی سونا نہیں چاہتا تھا۔ وہ تہہ خانے والے معاملے کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ وہ تابوت کا راز جلد از جلد معلوم کرنا چاہتا تھا۔ اب وہ مزید اس خوش فہمی میں نہیں رہنا چاہتا تھا کہ تابوت میں کچھ نہیں ہے۔ اس تابوت میں ضرور کوئی راز تھا اور وہ جلد یہ راز معلوم کرنا چاہتا تھا۔

وہ اُٹھ کر اپنی خوابگاہ میں چلا گیا۔ اُس نے کچھ دیر بعد تہہ خانے میں جانے کا فیصلہ کیا تا کہ مسز مورگن سو جائے۔ وہ اُسے ڈسٹرب کرنا نہیں چاہتا تھا۔ اندر کمرے میں داخل ہوتے ہی یکایک تھکاوٹ اُس پر حملہ آور ہوئی۔ نرم اور آرام دہ بستر اُسے اپنی طرف کھینچنے لگا۔ اُس کا دل بے اختیار چاہا کہ وہ سب کچھ بھول بھال کر بستر پر سو جائے اور ہر کام صبح تک کے لئے مؤخر کر دے۔ اُس نے بستر پر پڑا ہوا گاؤن اٹھایا تو ایک کاغذ زمین پر گر پڑا۔ جم نے قدرے حیرت سے اسے اٹھایا۔ بڑی شکستہ سی تحریر میں اس پر درج تھا۔ "میں ایک انتہائی اہم معاملے کے بارے میں آپ کو مطلع کرنا چاہتی ہوں۔ موقع نکال کر فوری طور پر مجھ سے ملیں۔ جولیا۔"

جم کو بڑی حیرت ہوئی اور ساتھ ہی جولیا پر غصہ بھی آنے لگا۔ دن بھر وہ اُس کے آس پاس منڈلاتی رہتی تھی۔ اگر کوئی ایسی اہم بات تھی تو وہ اسی وقت بتا سکتی تھی، 'شاید وہ اُس کی اور مسز مورگن کی قربت سے جذبہ رقابت میں مبتلا ہو گئی ہے اور اپنی ناراضگی



کا اظہار کرنا چاہتی ہے۔' اُس نے فوراً جولیا سے ملنے کا فیصلہ کر لیا۔ اُسے جوزف کا کمرہ معلوم تھا جو وہاں سے کچھ ہی فاصلے پر تھا۔ وہ سوچنے لگا کہ اگر رات کے اس پہر مسز مورگن اُسے وہاں جاتے دیکھ لے تو نہ جانے کیا مطلب اخذ کرے۔

ابھی وہ تذبذب میں تھا کہ وہاں جائے یا نہیں۔ اچانک باہر سے ایک دردناک چیخ سنائی دی۔ اس مرتبہ یہ کسی جانور کی غراہٹ سے مشابہہ نہیں بلکہ سخت اذیت میں مبتلا کوئی نسوانی چیخ تھی اور یہ جتنی تیزی سے بلند ہوئی تھی اُسی تیزی سے معدوم ہو گئی جیسے کسی نے چیخنے والی کا گلا گھونٹ کر اُسے خاموش کر دیا ہو۔

جم نے فوراً ٹارچ اٹھائی اور باہر کی جانب دوڑا۔ تیزی سے بھاگتے ہوئے اُسے احساس ہوا کہ مسز مورگن نے بھی وہ چیخ سن لی تھی۔ جم نے دیکھا کہ مسز مورگن گاؤن کی ڈوریاں باندھتی ہوئی ہراساں سی اُس کے پیچھے پیچھے آ رہی تھی۔ جم نے جلدی سے دروازہ کھولا اور باہر نکل آیا۔ بیرونی دروازے سے کچھ فاصلے پر جھاڑیوں کے قریب اُسے ایک انسانی وجود بے حس و حرکت پڑا ہوا نظر آیا۔ اُس نے ٹارچ کی روشنی اُس پر ڈالی تو اسے فوراً پہچان گیا۔ وہ نسوانی وجود جولیا کا تھا۔ اُس نے ہاتھوں سے چہرے کو یوں ڈھانپا ہوا تھا، جیسے کسی درندے کے پنجوں سے اپنے چہرے کو بچانے کی کوشش کرتی رہی ہو۔ جم سمجھ گیا کہ اب وہ زندہ نہیں رہی۔ جوزف وہیں اُس کی لاش کے پاس بیٹھا زار و قطار رو رہا تھا۔ جم کو دیکھتے ہی وہ اُس سے لپٹ گیا۔ جم اُسے سہارا دیتے ہوئے کچھ دیر تک تسلیاں دینے کے بعد جولیا کی لاش پر جھک گیا۔

جولیا کی گردن اور ہاتھ کسی درندے کے پنجوں کی زد میں آ کر لہولہان ہو چکے تھے۔ جم نے مسز مورگن کو لاش کے قریب آنے سے روک دیا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس جیسی نرم و نازک عورت ایسا خوفناک منظر دیکھ کر غش کھا جائے۔ مسز مورگن اس قدر حیران اور پریشان نظر آ رہی تھی کہ جم اُسے اصل بات بتانے سے بھی گھبرا رہا تھا۔

"میڈم! مجھے افسوس ہے کہ بے چاری جولیا مرچکی ہے۔" بالآخر جم نے اُسے بتا ہی دیا۔

"اوہ...... لیکن...... یہ سب...... یہ...... یہ ہوا کیسے؟ کس ظالم نے اس معصوم کو ہلاک کردیا؟" وہ ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں پوچھ رہی تھی۔ بظاہر اُس کی حالت سے اندازہ ہوتا تھا کہ اُسے جولیا کی موت کا شدید صدمہ پہنچا ہے۔

"شاید کسی جنگلی درندے نے، جو جنگل سے ادھر آنکلا ہوگا۔" جم نے اُسے ٹالتے ہوئے کہا۔

جوزف کی حالت خراب ہوتی جارہی تھی۔ وہ روتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ "ہائے میری بچی...... کیسی دردناک موت تیری قسمت میں لکھی تھی۔" جم اُسے تسلیاں دیتا رہا۔ دونوں کے ذہنوں میں ایک ہی سوچ گردش کررہی تھی کہ یہ کسی جنگلی درندے کی کارستانی ہرگز نہیں ہوسکتی۔ اس حادثے کا تعلق ضرور تہہ خانے کے تابوت سے ہے۔ جم نے کچھ سوچ کر ٹارچ کی روشنی جھاڑیوں پر ڈالی۔ جھاڑیوں سے سرخ سرخ خون کے قطرے پختہ راہداری کی طرف جاتے ہوئے نظر آرہے تھے اور پھر یہ اندر بڑے دروازے کی طرف چلے گئے تھے۔ جم نے سوچا 'ہو نہ ہو وہ درندہ ابھی تک اندر ہی ہے اور اندر وہ تہہ خانے میں ہی ہوسکتا تھا'۔

"جوزف! خود کو سنبھالو اور مسز مورگن کا خیال رکھنا۔ میں اندر جارہا ہوں۔" جم یہ کہہ کر تقریباً دوڑتا ہوا ہال کی طرف بڑھ گیا۔ ہال کے دروازے پر بھی خون کے قطرے موجود تھے۔ اُسے یقین ہوگیا کہ تہہ خانے کی سیڑھیوں اور تابوت کے قریب بھی یہ نشانات ضرور ہوں گے۔ اُس کا شبہ یقین میں بدل گیا کہ جولیا کی موت کا تعلق تہہ خانے کے تابوت سے ہے۔

وہ تہہ خانے کی سیڑھیاں اُترتا نیچے پہنچا۔ تابوت کے قریب پہنچ کر اس نے اس کے



اِردگرد ٹارچ کی روشنی ڈالی تو اُسے تابوت تک وہ خونی نشان آتے ہوئے نظر آئے۔ اس نے جھک کر پوری قوت سے تابوت کا ڈھکنا اٹھانے کی کوشش کی۔ وہ بھاری ڈھکنا جو اس سے پہلے آہنی سلاخ سے بھی نہیں کھل سکا تھا، فوراً اوپر اٹھ گیا۔ جیسے اُس کے ہاتھ لگاتے ہی خودبخود اٹھ گیا ہو۔ اس نے ٹارچ کی روشنی کھلے تابوت میں ڈالی۔ خوف سے اُس کے جسم میں سنسنی سی دوڑ گئی۔

تابوت میں ایک انسانی ڈھانچا نظر آرہا تھا۔ وہ ایسا ڈھانچا نہیں تھا جس میں زندگی کی تمام تر رمق ختم ہوچکی ہو۔ ہڈیوں پر اب بھی کہیں کہیں گوشت موجود تھا اور جم کو وہ انسانی ڈھانچا جیتا جاگتا محسوس ہوا، جیسے اس میں اب بھی زندگی موجود ہو۔

اچانک ایک دھماکے سے تابوت کا ڈھکنا نیچے آن گرا۔ اُس کے ہاتھ سے ٹارچ گر گئی اور تہہ خانے میں گھپ اندھیرا چھا گیا۔ عین آخری لحات میں اُسے یوں محسوس ہوا جیسے ڈھانچے نے حرکت کی ہو۔ جم نے اپنا بازو تابوت کے کنارے پر رکھا ہوا تھا۔ ڈھکنے کو نیچے آتے ہوئے دیکھ کر اُس نے تیزی سے بازو کھینچ کر ڈھکنے کی ضرب سے بچنا چاہا اور اس جھٹکے سے اُس کے ہاتھ سے ٹارچ چھوٹ گئی تھی لیکن اس بازو میں اُسے شدید تکلیف کا احساس ہوا۔ اُس کے خیال میں وہ ڈھکنے کی ضرب سے بازو کو بچانے میں کامیاب ہوگیا تھا لیکن بازو سے درد کی شدید ٹیسیں اٹھ رہی تھیں۔

اس نے ٹٹول کر ٹارچ تلاش کی اور اس کی روشنی میں دیکھا کہ اُس کی کلائی پر گہری خراشیں پڑی ہوئی تھیں، جیسے کسی درندے نے پنجہ مار دیا ہو۔ جم سخت دہشت زدہ ہوگیا اور دیوانہ وار سیڑھیوں کی طرف بھاگا۔ وہ اس دہشت ناک ماحول سے فوراً نکل جانا چاہتا تھا۔ اسے مسز مورگن کا خیال آیا جسے وہ باہر ہی چھوڑ آیا تھا اور اس دہشت ناک خطرے سے قطعاً ناواقف تھی۔ اس نے سوچا کہ موجودہ واقعات ان کہانیوں کی تصدیق کرتے ہیں کہ سامر واقعی بھیڑیئے کے روپ میں یہیں کہیں اردگرد موجود ہے اور اگر

واقعی ایسا ہے تو ڈاسن منزل کی مالک کی حیثیت سے مسز مورگن کو سب سے زیادہ خطرہ تھا چونکہ وہ تابوت میں موجود نہیں تھا۔ اس میں صرف ڈھانچا پڑا ہوا تھا، اس کی روح یقیناً بھیڑیئے کا روپ دھار کر باہر ہی کہیں منڈلا رہی ہو گی۔ بے چاری جولیا اس کی درندگی کا شکار ہو گئی تھی اور اب اس کا آئندہ شکار مسز مورگن ہی ہو گی...... جم پہلے سے بھی زیادہ تیزی سے باہر کی طرف دوڑا۔

وہ ہال میں پہنچا تو اس نے جوزف اور مسز مورگن کو اندر آتے دیکھا۔ جوزف کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا اور مسز مورگن بالکل پریشان اور خوفزدہ دکھائی نہیں دے رہی تھی۔ جم کو اس عورت کی دلیری اور جرأت پر حیرت ہونے لگی۔ وہ عام عورت ہوتی تو یقیناً نیم پاگل ہو چکی ہوتی، لیکن مسز مورگن یقیناً آہنی اعصاب کی مالک تھی، جم کو اس پر رشک آنے لگا۔ ''بہتر ہے کہ آپ اپنے کمرے میں چلی جائیں۔'' جم نے مسز مورگن سے کہا۔ ''یہاں آپ کے لئے بھی خطرہ ہے۔''

''لیکن...... بے چاری جولیا کو اس حالت میں......''

''ہم دونوں یہیں رہیں گے۔ جولیا کو ہم سنبھال لیں گے۔ آپ اپنے کمرے میں جا کر اندر سے دروازہ بند کر لیں۔'' جم کے اصرار پر مسز مورگن بادل ناخواستہ اپنے کمرے کی طرف جانے لگی۔ آخری سیڑھی پر پہنچ کر اس نے پلٹ کر عجیب سی نظروں سے جم کی طرف دیکھا جو اسی کو جاتا ہوا دیکھ رہا تھا۔ جم کو اس کی نظروں میں عجیب سی چمک نظر آئی۔ اتنی دور ہونے کے باوجود اُسے محسوس ہوا جیسے مسز مورگن کی آنکھوں کی جگہ دو ننھے سے دیے رکھ دیئے گئے ہوں۔ وہ صرف ایک لمحے کو وہاں رُکی اور پھر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ جم کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔

وہ اپنی کیفیت پر قابو پاتے ہوئے جوزف سے مخاطب ہوا۔ ''جولیا نے میرے لئے ایک تحریر چھوڑی تھی کہ وہ مجھ سے کوئی اہم بات کرنا چاہتی ہے۔ میرا خیال ہے اسے



ضرور کوئی اہم بات معلوم ہو گئی تھی...... شاید وہ کسی خطرے سے آگاہ تھی اور مجھے خبردار کرنا چاہتی تھی...... کیا آپ اس بارے میں کچھ جانتے ہیں؟''

''نہیں...... مجھے کچھ معلوم نہیں۔'' جوزف نے جواب دیا۔ جولیا کے ذکر پر اُس کا گلا رندھ گیا تھا۔ پھر وہ کھنکار کر بولا۔ ''پگلی تھی وہ...... اگر اُسے کچھ معلوم ہو گیا تھا تو مجھے ہی بتا دیتی۔''

جم گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر کوئی خیال آتے ہی چونک کر بولا۔ ''آپ کے پاس بندوق ہے؟''

''جی ہاں۔'' جوزف نے جواب دیا۔

''لے آیئے اسے۔ شاید اس کی ضرورت پڑ جائے۔''

''لیکن...... مسٹر جم!'' جوزف نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ ''بندوق کا کیا کریں گے آپ؟''

''جوزف! اس میں کوئی شک نہیں رہا کہ تہہ خانے کے تابوت سے کوئی پراسرار ہستی باہر نکلی ہے اور جولیا اس کا شکار ہو گئی ہے۔'' جم نے کہا۔ ''ہو سکتا ہے اس نے جولیا کو اپنی فطرت سے مجبور ہو کر ہلاک کیا ہو یا ممکن ہے اس لئے اسے مار ڈالا ہو کہ وہ مجھے کچھ بتانا چاہ رہی تھی...... بہرحال، یقین سے کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ میرا اندازہ ہے کہ اس کا اگلا شکار مسز مورگن ہو گی۔ سامر کی کہانیوں میں یہی مشہور ہے نا کہ وہ ڈاسن منزل کے مالک کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔ یہ باتیں آپ نے بھی سنی ہوں گی۔''

''ہاں۔'' جوزف نے کہا۔ ''کچھ ایسی ہی باتیں مشہور تھیں کہ سامر کسی بھی انسان کے جسم میں داخل ہو کر تابوت میں اپنی جگہ مالک مکان کی لاش چھوڑ جاتا ہے اور...... اور وہ بھیڑیئے کا روپ دھارنے پر بھی قدرت رکھتا ہے۔ لیکن میں تو ہمیشہ ان باتوں کو محض کہانیاں ہی سمجھتا رہا ہوں۔''

"نہیں۔" جم نے کہا۔ "یہ محض کہانیاں نہیں ہوسکتیں۔ موجودہ حالات میں ہم ان باتوں کو نظرانداز نہیں کر سکتے۔ یقیناً اب مسز مورگن شدید خطرے میں ہیں۔ یہ آپ بھی جانتے ہیں کہ اس انسان نما بھیڑیئے...... یا بھیڑیا نما انسان...... میرا خیال ہے اسے آدھا بھیڑیا کہا جاتا ہے۔ اسے عام طریقے سے ہلاک نہیں کیا جا سکتا۔ صرف ایک ہی طریقہ اسے ہلاک کرنے کا ہے...... کہ بندوق میں چاندی کی گولی بھر کر اس پر فائر کیا جائے۔ میں اپنی چاندی کی صلیب پگھلا کر گولیاں تیار کرلوں گا اور کل دن میں یا رات کے کسی پہر تابوت دوبارہ کھلے گا...... اور سامراس سے باہر آئے گا تو میں اس خبیث روح کا خاتمہ کردوں گا۔" جم نے آخری جملہ دانت پیستے ہوئے کہا۔



ناشتے کی میز پر بیٹھا جم، مسز مورگن سے بہت کم گفتگو کر رہا تھا۔ اُس کا ذہن رات کے واقعات میں اُلجھا ہوا تھا۔ اُس نے دل ہی دل میں فیصلہ کر لیا تھا کہ آدھے بھیڑیئے کو ہلاک کرنے کے منصوبے کے متعلق مسز مورگن کو فی الحال کچھ نہیں بتائے گا ورنہ وہ ابھی سے خوف کا شکار ہو جائے گی۔

"جولیا کی آخری رسومات شاید شام کو ادا کی جائیں۔ آپ ان میں شریک ہونا پسند کریں گے؟" مسز مورگن نے سرسری لہجے میں پوچھا۔

"جی ہاں۔" جم نے جواب دیا۔ "میں اس کی تدفین میں ضرور شرکت کروں گا...... لیکن اُسے آج نہیں دفنایا جائے گا۔"

"کیوں......؟"

"مسٹر جوزف نے خواہش ظاہر کی ہے کہ جولیا کو کل دفنایا جائے۔"

"اوہ...... اچھا۔"

جولیا کی تدفین میں تاخیر بھی دراصل جم کی خواہش پر کی گئی تھی۔ کیونکہ اس پر انہیں



ہر حال میں وہاں کے باسیوں کو شریک کرنا پڑتا اور جم فی الحال آدھے بھیڑیئے کے وجود کو راز ہی رکھنا چاہتا تھا۔ اس لئے اُسی کے مشورے پر جوزف نے یہ کام اگلے روز تک ملتوی کر دیا تھا۔

جم نے ناشتہ کرتے ہوئے مسز مورگن کی گفتگو سے اندازہ لگایا کہ وہ رات کے واقعے کے بارے میں کچھ زیادہ حیرت یا افسوس کا اظہار نہیں کر رہی تھی بلکہ اُسے یہ احساس ہوا کہ اس موضوع پر بات کرتے ہوئے وہ موہوم سا لطف محسوس کر رہی ہے۔

بے دلی سے ناشتہ کر کے جم اپنے کمرے میں آ گیا۔ اُس نے پورا دن بوریت کے عالم میں کمرے میں ٹہلتے ہوئے گزار دیا۔ وقت اُسے ایک جگہ ٹھہرا ہوا محسوس ہونے لگا۔ آخر ایک ایک لمحہ گھسٹ کر دن تمام ہوا اور رات آئی۔ کھانا کھانے کے فوراً بعد اُس نے مسز مورگن کو خواب گاہ میں بھیج دیا اور دروازہ مضبوطی سے بند کرنے کی ہدایت کی۔ اُسے خوشی ہوئی کہ مسز مورگن نے بغیر کسی استفسار کے اُس کی بات مان لی تھی۔ گویا اب وہ اس پر اعتماد کرنے لگی تھی۔

اس کے جاتے ہی جم نے وہ بندوق نکالی جسے اس نے صبح ہی چاندی کی گولیاں تیار کر کے ایک جگہ چھپا دیا تھا۔ اس نے یہ بندوق مسز مورگن سے پوشیدہ رکھی تھی لیکن باوجود کوشش کے صبح مسز مورگن نے بندوق اُس کے ہاتھ میں دیکھ لی تھی لیکن اُس نے جم سے اس کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا تھا۔ شاید وہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی خاموش رہنا مناسب سمجھی تھی۔

جم نے بندوق گولیاں بھر کر ایک ہاتھ میں تھامی اور ٹارچ اٹھا کر تہہ خانے میں اتر گیا۔ اسے احساس تھا کہ وہ جو کچھ کرنے جا رہا ہے انتہائی خطرناک کام ہے۔ اس میں اس کی جان بھی جا سکتی تھی لیکن اس کے بغیر کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ وہ تابوت کے قریب ہی رکھے ایک پرانے صندوق پر بیٹھ گیا۔

اب اسے انتظار کرنا تھا اور یہ انتظار طویل بھی ہو سکتا تھا لیکن وہ تن بہ تقدیر ہو کر بیٹھ گیا کہ کب تابوت کا ڈھکنا اوپر اٹھے اور اس میں سے آدھا بھیڑیا...... یا سامر باہر آئے۔ 'اسے ہلاک کرنے کے لئے چاندی کی ایک گولی کافی ہو گی۔' جم نے سوچا۔ دوسری عام گولیاں اس پر بالکل بے اثر ہوتیں۔

تہہ خانے کا دروازہ کھلا تھا اور ہلکی ہلکی روشنی اندر آ رہی تھی۔ جم نے خود کو تاریکی میں ہی رکھنے کا فیصلہ کیا تھا اور ٹارچ کو بھی صرف اشد ضرورت کے وقت جلانے کا ارادہ کیا تھا۔ وہاں کے پراسرار ماحول میں اس پر وحشت سی طاری ہو رہی تھی۔ اس ماحول کا ہی اثر تھا کہ ذہن میں آنے والے عجیب سے خیالات اُسے خوفزدہ کر رہے تھے۔ یہ خیال اُسے دہشت زدہ کئے دے رہا تھا کہ ممکن ہے عین موقع پر بندوق کی نال میں گولی پھنس جائے یا اُس کا نشانہ خطا ہو جائے۔ وہ جو اس آدھے بھیڑیئے کو ہلاک کرنے کے لئے وہاں گھات لگائے بیٹھا تھا خود اُس کا شکار ہو جائے۔

اس نے سر جھٹک کر ان خیالات سے پیچھا چھڑانے کی کوشش کی۔ اس نے سوچا کہ اگر وہ خوفزدہ ہو گیا تو یقیناً اس بلا کا سامنا نہیں کر پائے گا۔ اس سے بہتر ہے کہ خاموشی سے تہہ خانے سے نکل جائے بلکہ یہ علاقہ ہی چھوڑ جائے اور اپنے کام سے لگ جائے۔ مسز مورگن جانے اور اُس کا کام جانے۔

پھر اُسے خود اپنی اس خود غرضانہ سوچ پر ندامت ہونے لگی۔ مسز مورگن کو اس بھیڑیئے کے رحم و کرم پر چھوڑ کر چلے جانا انتہائی بزدلی اور بے رحمانہ حرکت ہوتی۔ اس نے ایک بار پھر سر جھٹکا اور صندوق پر تن کر بیٹھ گیا اور بندوق پر اپنی گرفت مضبوط کر لی۔ اس نے دل ہی دل میں فیصلہ کر لیا کہ وہ کسی بھی مرحلے میں خوف کو اپنے قریب بھی پھٹکنے نہیں دے گا۔ خوف...... اُس کی یقینی موت تھی اس نے ہر حال میں اس بلا کو ٹھکانے لگانے کا مصمم ارادہ کر لیا۔



اس نیم روشن ماحول میں اچانک اسے تابوت کا ڈھکنا بڑی آہستگی سے اوپر اٹھتا ہوا محسوس ہوا۔ جم ایک دم چوکس ہو کر بیٹھ گیا۔ وہ آنکھیں پھاڑے تابوت کو گھور رہا تھا جس کا ڈھکنا پوری طرح کھل چکا تھا اور اس میں سے ایک جسیم اور خوفناک ہیولا...... جس کی شکل کسی بڑی جسامت کے بھیڑیئے سے مشابہہ تھی، تابوت سے باہر نکل رہا تھا۔ جم نے فوراً ٹارچ جلائی۔ ٹارچ کی تیز روشنی میں جم کے سامنے عجیب الخلقت عفریت کھڑی تھی۔ روشنی پڑنے پر وہ لمحے بھر کے لئے اس طرف متوجہ ہوا اور وحشیانہ انداز میں جبڑے ہلاتا اور دانت کو نکوستا ہوا اُچھل کر تابوت سے باہر نکلا۔

اب جم ٹارچ پھینک کر اُس پر فائر کرنے ہی والا تھا کہ وہ بلا ایک خوفناک غراہٹ کے ساتھ پلٹی اور بڑی پھرتی سے تہہ خانے کی سیڑھیاں چڑھ کر نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ جم تیزی سے اُس کے پیچھے لپکا لیکن جم سے زیادہ وہ بھیڑیا تیز رفتار ثابت ہوا۔ جب جم دروازے پر پہنچا تو وہ پراسرار درندہ اسے کہیں نظر نہ آیا۔ اردگرد نگاہیں دوڑاتا، بندوق کو مضبوطی سے تھامے جم ہال میں داخل ہوا۔ درندے کا کہیں نام ونشان نہیں تھا۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ ہوا میں تحلیل ہو گیا ہو۔ ایک خیال آتے ہی جم چوکنا ہو گیا۔ 'وہ ضرور مسز مورگن کی خواب گاہ میں گھس گیا ہو گا۔' وہ یقیناً خطرے میں تھی۔ جم نے ایک نظر مسز مورگن کے کمرے کی طرف دیکھا اور اس طرف دوڑ لگا دی۔

ایک ساتھ کئی کئی سیڑھیاں پھلانگتا ہوا وہ اوپر چڑھنے لگا۔ بندوق اُس کے ہاتھ میں فائر کی پوزیشن میں تیار تھی۔ ضرورت پڑنے پر وہ بے دریغ فائر کر سکتا تھا۔

ابھی وہ آدھی سیڑھیاں ہی چڑھ پایا تھا کہ اسے مسز مورگن کی چیختی ہوئی آواز سنائی دی۔ ''جم......! رُک جاؤ مسٹر جم!''

جم فوراً رُک گیا اور حیرت سے نیچے دیکھنے لگا۔ اس کے خیال میں مسز مورگن کو اس وقت اپنے کمرے میں ہونا چاہئے تھا۔ جس کے لئے اُس نے خاص طور پر تاکید کی تھی

لیکن مسز مورگن کی آواز نیچے ڈرائنگ روم سے آ رہی تھی۔ اس کی آواز میں خوف اور دہشت کے بجائے جھنجھلاہٹ، غصہ اور تحکم پایا جاتا تھا۔ جم کی کھوپڑی بھنا اٹھی۔ اسے مسز موگن پر شدید غصہ آنے لگا۔ اس وقت آخر وہ ڈرائنگ رُوم میں کیا کر رہی تھی۔ وہ اس خطرے کو ذرا بھی اہمیت نہیں دے رہی تھی جو اس کے سر پر منڈلا رہا تھا۔ وہ اسی تیز رفتاری سے واپس سیڑھیاں اترتا ہوا ڈرائنگ روم کی طرف دوڑا۔

اس کے اعصاب تنے ہوئے تھے۔ انسان نما بھیڑیئے کے حملے کے خوف سے وہ چوکنا نظروں سے اِردگرد کا جائزہ لیتا جا رہا تھا۔ کچھ پتہ نہ تھا کہ وہ مکان کے کسی کونے میں چھپا بیٹھا ہو اور اچانک حملہ آور ہو جائے۔ 'کہیں وہ ڈرائنگ رُوم میں موجود نہ ہو' اُس نے سوچا اور اپنے دوڑنے کی رفتار مزید تیز کر دی۔

چند لمحوں بعد وہ ڈرائنگ رُوم کے دروازے سے اندر داخل ہو رہا تھا۔ مسز مورگن سامنے ہی ڈرائنگ رُوم کے درمیان اُسے کھڑی نظر آئی اور...... یہ دیکھ کر اُسے جھٹکا سا لگا کہ وہ بھیڑیا نما انسان، نصف انسان نصف بھیڑیا، بھی وہیں موجود تھا۔ وہ درندہ انسانوں کی طرح پچھلی ٹانگوں پر کھڑا تھا۔

وہ درندہ بڑے خوفناک انداز میں آہستہ آہستہ قدم اٹھاتا مسز مورگن کی طرف بڑھ رہا تھا اور مسز مورگن کی آنکھیں اس نصف بھیڑیئے پر جمی ہوئی تھیں۔ مسز مورگن کے چہرے کو دیکھ کر جم کو گویا بجلی کا جھٹکا سا لگا۔ اس کے چہرے پر مجنونانہ سی کیفیت طاری تھی اور چہرے کے عضلات بری طرح کھنچے ہوئے تھے۔ جم کو واضح طور پر خرخراتی ہنسی کی آواز سنائی دی جو یقیناً مسز مورگن کے ہونٹوں سے نکل رہی تھی۔ شاید وہ شدت خوف سے اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھی تھی۔ اُس کے چہرے پر چھائے ہوئے عجیب سے تاثرات نے اُسے کریہہ المنظر بنا دیا تھا۔ اس کی صورت مسخ ہو کر رہ گئی تھی اور خوبصورت چہرہ اس وقت پہچانا نہیں جا رہا تھا۔



جم نے مسز مورگن کی یہ بدلتی کیفیت دیکھی تو فوراً اُس نے بندوق سیدھی کی اور نشانہ لے کر اس درندے پر فائر کر دیا۔ اس نے یکے بعد دیگرے تین فائر کیے، اور گولیاں واضح طور پر نشانے پر پڑی تھیں۔ لیکن...... یہ دیکھ کر وہ اپنی جگہ سن ہو کر رہ گیا کہ ان گولیوں کا اس درندے پر کچھ اثر نہیں ہوا تھا۔ بھیڑیا ٹھٹھک کر رُک گیا اور ایک دم غرا کر جم کی طرف پلٹا۔ اب جم کو اپنی موت یقینی نظر آنے لگی۔ وہ بھیڑیا اُچھل کر اس کے قریب آیا اور اس کے پہلو سے ہوتا ہوا دروازے کی طرف بھاگا۔ جم کو گویا ایکدم ہوش آ گیا۔ اس نے بھاگتے ہوئے ہیولے پر بھی دو فائر کیے لیکن حسب سابق اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔

وہ اس کے پیچھے پیچھے بھاگا۔ اس نے دیکھا کہ بھیڑیئے کا رُخ تہہ خانے کی طرف تھا۔ دوسرے ہی لمحے وہ تہہ خانے میں اتر گیا اور اس کے پیچھے تہہ خانے کا دروازہ پُرشور آواز کے ساتھ بند ہو گیا۔ جم نے دروازہ کھولنے کی بڑی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ پوری قوت صرف کرنے کے باوجود وہ تہہ خانے کے دروازے کو اپنی جگہ سے ہلا بھی نہیں سکا تھا۔

وہ دل گرفتہ سا واپس پلٹا۔ اُسے یقین ہونے لگا تھا کہ وہ بلا صرف مسز مورگن کو ہلاک کرنا چاہتی ہے۔ کیونکہ اس مکان کی موجودہ مالکن وہی تھی۔ دو دفعہ سامنا ہونے کے باوجود اس درندے نے اسے کوئی گزند نہیں پہنچائی تھی۔ وہ تھکے تھکے سے قدموں سے واپس ڈرائنگ روم کی طرف جانے لگا۔ اسے مسز مورگن کی مجنونانہ حالت پر بھی خاصی تشویش تھی۔ اس کے خیال سے وہ خوفناک درندے کو اپنے سامنے دیکھ کر پاگل ہو گئی تھی۔

وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوا تو اسے مسز مورگن اب بھی اسی انداز میں کھڑی نظر آئی جیسے اُس پر سکتہ ہو گیا ہو لیکن نہیں۔ جم نے اس کے چہرے کی طرف بغور دیکھا تو

اس کی پتلیاں متحرک اور...... آنکھیں پہلے سے قدرے بڑی محسوس ہوئیں۔ ان آنکھوں میں خوف و ہراس نہیں...... وحشت اور نفرت تھی۔ وہ بڑی نفرت سے جم کی طرف دیکھ رہی تھی۔ جم پریشان ہو گیا۔

''خود کو سنبھالئے مسز مورگن......!'' جم کو خود اپنی آواز میں لرزش محسوس ہوئی۔

''میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔ مشہور تو یہی ہے کہ نصف بھیڑیئے کو صرف چاندی کی گولیوں سے ہی ہلاک کیا جا سکتا ہے اور میرے پاس چاندی کی چھ گولیاں تھیں جو میں نے اپنی صلیب پگھلا کر بنائی تھیں۔ میں نے اس پر پانچ فائر کئے لیکن کتنے تعجب کی بات ہے کہ ایک گولی بھی اُس پر اثر انداز نہیں ہوئی۔ یہ گورکھ دھندا میری عقل کو ماؤف کئے دے رہا ہے۔''

مسز مورگن نے عجیب سی پراسرار نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔ ''یہ لو...... یہ رہیں تمہاری گولیاں۔'' اُس نے ہاتھ بڑھا کر اپنی بند مٹھی جم کے سامنے کھول دی۔ جم کی بنائی ہوئی چاندی کی چھ گولیاں اب اس کی ہتھیلی پر رکھی تھیں۔ پھر اس نے بڑی نفرت سے وہ گولیاں فرش پر پھینک دیں۔ جم ششدر کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ ''آخر آپ نے ایسا کیوں کیا...مسز مورگن! میں آپ کو بچانے کی کوشش کر رہا ہوں اور آپ نے...''

''مجھے......!'' مسز مورگن قہقہہ لگا کر ہنس پڑی۔ ''مجھے بچانے کی کوشش کر رہے تھے تم......؟''

''آخر یہ کیا مذاق ہے مسز مورگن......'' جم نے قدرے تیز لہجے میں کہا۔

''یہ مذاق نہیں مسٹر جم! ایک دہشت ناک حقیقت ہے۔'' مسز مورگن نے کہا۔ ''دراصل وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سامر کے حوالے سے روایات کو یکسر توڑ مروڑ کر اور غلط انداز میں پیش کیا جاتا رہا ہے۔ سامر نے ایسا قطعاً نہیں کہا تھا کہ وہ سامر منزل ...... یا ڈاسن محل کے ہر مالک کا دشمن ہو گا اور اس کی جان لے گا۔ بلکہ اس کا مطلب



صرف ڈاسن خاندان کے کسی آخری فرد سے تھا۔ ڈاسن خاندان...... ایسے چور اور غاصب افراد پر مشتمل ایک بے ایمان خاندان تھا جس نے سامر کی جاگیر پر زبردستی قبضہ کر لیا تھا۔ سامر نے کہا تھا کہ وہ اپنے انسانی روپ میں صرف اس وقت آ سکے گا جب وہ ڈاسن خاندان کا مکمل خاتمہ کر دے گا۔ نصف بھیڑیئے کے روپ سے اسے اس وقت نجات ملے گی جب تہہ خانے والے تابوت میں اس کی جگہ ڈاسن خاندان کے آخری فرد کو دفن کر دیا جائے...... اور...... تم ڈاسن خاندان کے آخری مرد ہو۔ تمہارے بعد ڈاسن خاندان کا نام و نشان باقی نہیں رہے گا۔ آج کے دن کے لئے سامر نے بڑا انتظار کیا ہے......''

جم ڈاسن کا سر چکرانے لگا۔ اُسے اپنی نظروں کے سامنے ہر چیز گھومتی محسوس ہو رہی تھی۔ اُس کے دماغ میں مسز مورگن کے الفاظ کسی وزنی ہتھوڑے کی طرح لگ رہے تھے۔ اُسے یہ سب کچھ کسی ڈراؤنے خواب کی طرح لگ رہا تھا۔ لیکن نہیں...... مسز مورگن واقعی اس کے سامنے کھڑی تھی۔ ایک دہشت ناک حقیقت کے روپ میں۔

''لل...... لیکن...... تم یہ سب کچھ اتنے یقین سے کیسے کہہ رہی ہو......؟'' جم نے ہکلاتے ہوئے سوال کیا۔

مسز مورگن عجیب سے انداز میں ہنسی۔ اُس کی ہنسی جم کو قطعی غیر انسانی محسوس ہوئی۔ جیسے کوئی درندہ غرایا ہو۔ ''سامر کے حوالے سے یہ بات مشہور تھی تا کہ وہ کچھ پراسرار علوم کا ماہر تھا......'' مسز مورگن نے اسی غراہٹ آمیز لہجے میں کہا۔ ''دراصل وہ کچھ نہیں، بہت سے پراسرار علوم پر دسترس رکھتا تھا۔ ان دنوں میں بھی پراسرار علوم میں خاصی دلچسپی لینے لگی تھی۔ پھر میں نے بھی کئی پراسرار علوم سیکھ لئے۔ جب میری سامر سے شادی ہوئی تو میرے......''

''کک...... کیا......؟'' جم تقریباً چیخ پڑا۔ ''تم سامر کی بیوی ہو؟''

"ہاں......" اُس نے جواب دیا۔ "میں سامر کی بیوی گارشا ہوں۔ حیرت کی بات ہے کہ راویوں نے سامر کی روایتوں میں مجھے یکسر نظر انداز کر دیا تھا۔ مسٹر جم! تم میرے جذبات کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ میری سامر سے نئی نئی شادی ہوئی تھی کہ اُسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا تھا۔ سامر نے مرتے وقت قسم کھائی تھی کہ وہ مرنے کے بعد بھیڑیئے کا روپ دھار لے گا اور جب تک ڈاسن خاندان کے آخری فرد کو جہنم واصل نہیں کرے گا، انسانی روپ میں واپس نہیں آئے گا۔"

خوف سے جم کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اسے محسوس ہوا جیسے خون اس کی رگوں میں منجمد ہونے لگا ہے۔ موت کے پروں کی پھڑپھڑاہٹ اُسے اپنے کانوں کے قریب سنائی دینے لگی۔

"ایک وفادار بیوی اپنے شوہر کو نئی زندگی بخشنے کے لئے کسی بھی حد تک جا سکتی ہے۔" مسز مورگن...... یا گارشا اب کسی لالچی اور حریص فرد کی طرح للچائی ہوئی نظروں سے اُسے دیکھتی ہوئی اُس کی طرف بڑھ رہی تھی۔ اُس کے چہرے پر غیر انسانی مسکراہٹ تھی۔ وہ کہہ رہی تھی۔ "مسٹر جم! میں غلط تو نہیں کہہ رہی نا؟ میں نے آج کے دن کے لئے طویل انتظار کیا ہے۔ دو سو سال کی مدت کم نہیں ہوتی...... میری روح مختلف جسموں کا سہارا لے کر کئی روپ بدلتی رہی...... صرف اپنے خاندان کو اصلی، انسانی روپ میں دیکھنے کے لئے...... آج کے دن کے لئے میں نے بڑی بے چینی سے انتظار کیا ہے۔ میری روح تک نے بڑی اذیتیں سہی ہیں...... اور آج......"

وہ ہونٹوں پر زبان پھیرتی، دونوں ہاتھ بلند کئے اُس کی طرف قدم بڑھانے لگی۔ جم اُس کے اس خوفناک روپ کو دیکھ کر دہشت زدہ سا ہو کر پیچھے کھسکنے لگا۔ وہ دھیرے دھیرے دروازے کی جانب بڑھنے لگا۔ وہ کسی طرح وہاں سے بھاگ جانا چاہتا تھا۔ وہ دروازے کے قریب پہنچ گیا۔ دروازہ کھلا تھا۔ اُس نے یکایک ایک جست لگائی اور



دروازے سے باہر نکلنے کی کوشش کی۔ موت کو سامنے دیکھ کر اُس کے جسم میں نہ جانے کہاں سے اتنی قوت آ گئی تھی کہ وہ تقریباً اُڑتا ہوا دروازے کی طرف گیا اور عین اسی لمحے ڈرائنگ رُوم کا دروازہ ایک دھماکے سے بند ہو گیا اور وہ پوری جسمانی طاقت کے ساتھ دروازے سے جا ٹکرایا۔ اُس کے دماغ میں پھلجھڑیاں سی پھوٹ گئیں۔ وہ سامنے کے رُخ سے دروازے سے ٹکرایا تھا۔ دوسرے جسمانی اعضاء کے علاوہ اُس کا چہرہ شدید مضروب ہو گیا۔ اُس کے ناک اور منہ سے خون بہنے لگا۔

وہ وہیں ڈرائنگ رُوم کے دروازے کے پاس ہی ڈھیر ہو گیا۔

وہ وہیں دروازے کے پاس پڑا ہوا تھا کہ دفعتہً اُچھل کر کھڑا ہو گیا اور اس کوشش میں وہ پھر گرتے گرتے بچا البتہ لڑکھڑا ضرور گیا۔ دروازے کی دوسری جانب سے اُسے نصف بھیڑیئے کے غرانے کی آواز سنائی دی۔ اب باہر سے خوفناک غراہٹ کے ساتھ ساتھ دروازے پر اس کے پنجوں کی رگڑ کی آواز بھی واضح طور پر سنائی دی۔ گویا اب وہ پوری طرح پھنس چکا تھا۔ فرار کی تمام راہیں مسدود ہو چکی تھیں۔

ایک بھیڑیا دروازے سے باہر اس کا خون پینے کے لئے مچل رہا تھا اور اس درندے کی ساتھی...... اُس کی بیوی، کمرے کے اندر موجود اُسے خونخوار نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اُس کا چہرہ اب کسی طور بھی انسانی چہرہ نہیں لگ رہا تھا۔ اس کا چہرہ سکڑ کر تھوتھنی نما ہو گیا تھا اور آنکھیں سرخ انگارہ ہو چکی تھیں۔ اُس کے ہونٹوں کے گوشوں سے کف نکل رہی تھی۔

شاید جم کے ہونٹوں اور منہ سے نکلنے والے خون کی بو نے اُسے مشتعل کر دیا تھا اور اس کی حیوانی فطرت دفعتہً عود کر آئی تھی۔ اُس کا ملائم اور حسین چہرہ، سخت کھردرا اور خوفناک ہو گیا تھا۔ اُس کے تھوتھنی نما چہرے پر چھوٹے چھوٹے سخت بال نکل آئے تھے۔ اُس کے دانت نوکیلے ہو کر انتہائی کریہہ صورت میں ہونٹوں سے باہر جھانک

رہے تھے۔

اچانک جم کو چکر سا آ گیا اور فرش پر آ رہا۔ دوسرے ہی لمحے اُس نے جان بچانے کی آخری کوشش کی اور دوسرے پاؤں کی مدد سے ڈرائنگ رُوم کے ایک گوشے کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ اُس کی مجنونانہ سی کوشش تھی۔ بھلا کمرے کے اندر وہ اس بلا سے کس طرح محفوظ رہ سکتا تھا؟ اچانک اُس کی پیٹھ پر گارشا نے پنجہ مارا۔ جم کو ایسا لگا جیسے اس جگہ سے گوشت نوچ لیا ہو۔ اُس کے حلق سے ایک بھیانک چیخ نکل گئی اور اس نے اُٹھنے کی کوشش کی، لیکن چاروں شانے چت ہو گیا۔ گارشا...... اب وہ بھی نصف بھیڑیئے کے روپ میں اُس کے سامنے تھی۔ بالکل قریب۔ ایک نصف بھیڑیا کمرے سے باہر تھا۔ ایک نصف بھیڑیا کمرے کے اندر تھا۔ جس کے نوکیلے پنجے اُس کی گردن کی طرف بڑھ رہے تھے۔

قریب...... اور قریب۔ اُس کے دماغ میں دُھند سی چھاتی چلی گئی۔ تیز اور نوکیلے دانت اُس کی شہ رگ کے قریب آتے جا رہے تھے۔ جم نے اپنی گردن پر گرم اور بدبودار سانسوں کی گرماہٹ محسوس کی۔ پھر ذہن پر چھائی دُھند تاریکی میں تبدیل ہو گئی...... اتھاہ گہری تاریکی میں......!





ٹرین کے کمپارٹمنٹ میں موجود تمام افراد حیرت زدہ سی نگاہوں سے جم ڈاسن کو دیکھ رہے تھے جس کا چہرہ بالکل سپید پڑ چکا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے اُس کے جسم سے تمام خون نچوڑ لیا گیا ہو۔ وہ اس قدر دہشت زدہ نظر آ رہا تھا گویا اُس نے اپنے سامنے کسی وحشی درندے کو دیکھ لیا ہو۔

ڈبے میں موجود لوگوں نے محسوس کر لیا تھا کہ تاش کے پتوں پر بنی تصویروں کو دیکھ کر ہی اُس کی کیفیت میں تغیر سا آ گیا تھا۔ وہ جسمانی طور پر ڈبے میں موجود ہونے کے باوجود ایسا لگتا تھا گویا وہ یہاں سے کہیں دُور کسی دوسری دنیا میں پہنچا ہوا تھا۔

دفعتہً اُس نے سر کو ایک جھٹکا دیا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اپنے اردگرد دیکھنے لگا۔ اب اُس کی آنکھوں سے وہ غنودگی کی سی کیفیت ختم ہو گئی تھی جو کچھ دیر قبل تک ان آنکھوں میں رچی ہوئی تھی۔ اب وہ ذہنی طور پر پہلے کی طرح غیر حاضر نہیں لگ رہا تھا۔ اس سے پہلے وہ جس دنیا میں پہنچا ہوا تھا، اس پراسرار اور نامعلوم دنیا کی خبر صرف اسی کو تھی۔ باقی مسافروں کو تو صرف یہی معلوم تھا کہ ڈاکٹر شیرک نے جب تصویروں والے تاش کے پتے اُسے دکھائے تھے تو جم کی نظریں اس پر مرتکز ہو گئی تھیں۔ پہلے پہل تو اُس نے دو تین بار آنکھیں جھپکائی تھیں، بے چینی سے سیٹ پر پہلو بدلا تھا پھر بالکل ساکت ہو گیا تھا۔ اس کے بعد اس پر کیا گزری...... اس سے وہ سب لاعلم تھے۔

اب جم ڈاسن پوری طرح ہوش میں آ گیا تھا۔ ڈبے میں موجود سب سے پہلے

مسافر، جس کا نام رونالڈ تھا، نے اُسے بڑے غور سے دیکھا۔ جم اب بھی گھبرایا ہوا سا نظر آ رہا تھا۔ اُس کے ہونٹ لرز رہے تھے۔ پھر اُس نے سرسراتی سرگوشی میں کہا۔

''اُف...... میرے خدایا...... یہ...... یہ سب کیا تھا......؟ جو کچھ میں نے دیکھا ہے کیا واقعی مجھے پیش آئے گا؟''

ڈاکٹر شیرک نے اُس کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے اس سے پوچھا۔ ''آپ کہاں جا رہے ہیں؟''

''میں بریڈلے جا رہا ہوں۔''

''وہاں سے کہاں جانے کا ارادہ ہے؟''

''بریڈلے میں کام کے سلسلے میں جا رہا ہوں۔'' جم نے جواب دیا۔ ''کام ختم کرنے کے بعد واپس ایڈنبرا جاؤں گا۔''

''اس کے بعد......؟'' ڈاکٹر شیرک اُس سے سوالات کئے جا رہا تھا۔ ''وہاں سے پھر کہیں اور جانے کا پروگرام بنایا ہوا ہے آپ نے؟''

''نہیں...... فی الحال تو نہیں۔'' جم نے جواب دیا۔ ''کہیں اور جانے کا پروگرام تو ایڈنبرا واپس پہنچ کر ہی بناؤں گا۔''

''تو دیکھ لیجئے گا۔ ایڈنبرا پہنچنے کے بعد آپ کو لازمی طور پر کراؤن سٹی جانا پڑے گا۔''

جم کو شدید حیرت کا جھٹکا لگا۔ ڈاکٹر اُس کے آبائی شہر کراؤن سٹی کے بارے میں جانتا تھا۔

''اور وہاں آپ کو وہی واقعات پیش آئیں گے جو ابھی آپ دیکھ چکے ہیں۔'' ڈاکٹر شیرک نے اپنی بات مکمل کی۔ اُس کے لہجے میں اعتماد اور یقین تھا۔ جم نے کسی قدر بے یقینی سے اُس کی طرف دیکھا لیکن باوجود کوشش کے اُس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا۔



''ارے ہاں...... ڈاکٹر شیرک!'' دفعتہً رونالڈ بول اٹھا۔ ''آپ نے یہ بھی تو کہا تھا نا کہ پانچواں پتا آنے والے مصائب سے بچنے کا طریقہ بتاتا ہے؟''

''جی ہاں، میں نے یہی کہا تھا...... لیکن وہ بھی اس صورت میں کہ بچنے کا کوئی طریقہ ممکن ہو۔''

''تو پھر میرے لئے نجات کا کوئی طریقہ ممکن ہے یا نہیں؟'' جم نے پوچھا۔ ''آپ پانچواں پتا سیدھا کر کے دکھایئے نا۔''

''ضرور۔ ضرور۔'' ڈاکٹر شیرک نے کہا اور پھر تاش کے پیکٹ سے پانچواں پتا نکال کر سب سے چھپا کر صرف خود ہی اُسے دیکھا اور اچانک اُس کے چہرے پر اُداسی چھا گئی۔ وہ کچھ کہتے کہتے خاموش ہو گیا۔

''کیا بات ہے ڈاکٹر، دکھایئے نا۔'' جم نے اصرار کیا۔

''نہیں۔ کوئی خاص بات نہیں۔'' ڈاکٹر شیرک نے اُسے ٹالنے والے لہجے میں کہا اور جلدی سے وہ پتا باقی پتوں میں ملا دیا۔

''ڈاکٹر شیرک! آپ یقیناً کوئی بات چھپا رہے ہیں۔ کیا تھا اس پتے میں؟'' جم ڈاکن نے پوچھا۔ وہ ایک دم پریشان ہو گیا۔

ایڈی مارش جو بڑی دیر سے وہ ڈرامہ دیکھتا ہوا اپنے غصے پر بمشکل قابو پائے ہوئے تھا۔ ایک دم بھڑک اُٹھا۔

''اتنا پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے مسٹر جم! یہ کوئی حقیقت تو نہیں۔ محض ڈرامہ ہے۔ سراسر فراڈ۔''

''فراڈ......! کیسا فراڈ مسٹر ایڈی مارش؟'' ڈاکٹر شیرک نے بدستور نرم لہجے میں کہا۔

''تم...... تم میرا نام کیسے جانتے ہو؟'' ایڈی مارش کو ڈاکٹر شیرک کی زبانی نام سن کر حیرت ہوئی۔ پھر اُس نے بے نیازی سے کندھے اچکا کر کہا۔ ''یہی فراڈ ہے۔ جسے تم

مستقبل بینی کہہ کر سب کو بے وقوف بنانا چاہتے ہو۔"

"تو کیا آپ کا نام واقعی ایڈی مارش ہے؟" امریکی نوجوان نے پوچھا۔

"ہاں۔ اگر یہ شخص میرا نام جان گیا ہے تو اس میں کوئی کمال کی بات نہیں۔ ممکن ہے اس نے میرے سامان پر لیبل دیکھ لیا ہو یا پہلے کہیں مجھ سے مل چکا ہو۔ ویسے بھی میں ایک مشہور آدمی ہوں۔ بہت سے پڑھے لکھے لوگ مجھے جانتے ہیں۔ میں نقاد ہوں اور میرے کالم اخبارات میں اکثر میری تصویر کے ساتھ شائع ہوتے رہتے ہیں اور میں ٹی وی پر لیکچر بھی دیتا رہتا ہوں۔" ایڈی مارش کا لہجہ اپنا تعارف کراتے ہوئے پُرغرور سا ہو گیا تھا۔

"لیکن آپ کا نام تو میں بھی آج پہلی مرتبہ سن رہا ہوں۔" ایک مسافر نے کہا۔

ایڈی مارش نے کھا جانے والی نظروں سے اُسے گھورا اور جاہلوں کے منہ نہ لگنے کا سوچ کر کوئی جواب دیئے بغیر پھر اخبار کھول کر اس میں منہ چھپا لیا۔ رونالڈ نے سوچا نہ جانے کیوں اس کمبخت کا موڈ اتنا خراب ہے۔ ضروری تو نہیں کہ ہر شخص کی قسمت خراب ہو اور حوادث ہی مقدر میں لکھے ہوں۔ کسی کا مستقبل روشن ہے تو آخر اس کے بارے میں معلوم کرنے میں کیا حرج ہے۔

جہاں تک رونالڈ کا تعلق تھا، وہ جانتا تھا کہ آئندہ چند ہفتے اُس کے لئے نہایت خوشگوار ثابت ہونے والے تھے۔ وہ اپنی بیوی اور بچی کے ہمراہ چھٹیاں گزارنے جا رہا تھا۔ اس نے سوچا چلو اسی بارے میں معلوم کر لیا جائے۔ اگر ان پتوں میں واقعی کوئی سچائی ہے تو اس کا پتہ چل جائے گا۔

اُس نے ایک نظر ایڈی مارش کو دیکھا جو بدستور اخبار چاٹنے میں مصروف تھا۔ پھر وہ ڈاکٹر شیرک سے مخاطب ہوا۔ "کیا میں اپنی قسمت کا حال معلوم کر سکتا ہوں؟"

ڈاکٹر شیرک نے غور سے اُسے دیکھا۔ پھر اثبات میں سر ہلا کر تاش آگے بڑھا



دیئے۔ رونالڈ قدرے ہچکچایا۔ اُس نے سوچا۔ 'اب بھی وقت ہے کہ خواہ مخواہ کی پریشانیاں مول لینے سے بہتر ہے کہ اس خواہش سے دستبردار ہو جاؤں۔' لیکن پھر کچھ سوچ کر اُس نے تین مرتبہ تاشوں پر ہاتھ لگا ہی دیا۔

ڈاکٹر شیرک نے انہیں پھینٹ کر اوپر کا پہلا پتا سیدھا کر دیا۔ اس پتے پر ایک ہونق سے احمق آدمی کی تصویر تھی جس نے کتے کی زنجیر تھامی ہوئی تھی۔ تصویر میں اس احمق شخص نے سفری لباس زیب تن کیا ہوا تھا۔ ڈاکٹر شیرک نے باقی تین پتے سیدھے کرنے سے پہلے اس پتے کو غور سے دیکھ کر رونالڈ سے پوچھا۔ "آپ مستقبل قریب میں چھٹیاں گزارنے کسی تفریحی مقام پر جانے کا پروگرام بنا چکے ہیں؟"

"جی ہاں۔" رونالڈ نے جواب دیا۔ اُس نے سوچا یہ اندازہ تو کوئی بھی لگا سکتا ہے۔

"آپ کی بیوی اور بیٹی بھی آپ کے ساتھ جائیں گی؟"

"جی ہاں۔" اب رونالڈ کو کچھ حیرت ہوئی۔ "لیکن آپ نے یہ اندازہ کیسے لگایا؟"

"آپ اپنے پالتو کتے کو بھی ساتھ لے جائیں گے؟" ڈاکٹر شیرک نے اُسے جواب دیئے بغیر سوال کیا۔

"جی ہاں۔ بالکل ٹھیک کہا آپ نے۔" اب رونالڈ کو یقین ہونے لگا کہ یہ ساری باتیں فراڈ نہیں ہو سکتیں۔ ان میں سچائی موجود ہے۔

"اور جب آپ چھٹیاں گزار کر واپس آئیں گے......"

ڈاکٹر شیرک نے گمبھیر لہجے میں کہہ کر باقی تین پتے بھی سیدھے کر دیئے۔ ایک پتے پر ایک شخص تنے ہوئے رسے پر کھڑا تھا۔ اُس کا حلیہ عجیب سا تھا۔ اس کے چہرے پر رنگ برنگی دھاریاں سی بنی ہوئی تھیں۔ جیسا کہ سرکس کے مداری کرتب دکھاتے وقت اپنے چہرے پر مل لیتے ہیں۔ دوسرے پتے پر ایک آدمی پھانسی پر لٹکا نظر آ رہا تھا لیکن

پھانسی کا پھندہ رسی کا نہیں بلکہ کسی لچکدار قسم کے پودے کی لمبی مضبوط ٹہنی سے بنا ہوا تھا۔ پھانسی سے لٹکے ہوئے اس شخص کی آنکھیں حلقوں سے باہر لٹک رہی تھیں اور اُس کی زبان منہ سے باہر نکل کر دانتوں کے درمیان بری طرح سے دب گئی تھی۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ اس شخص کی زبان سانپ کی زبان کی طرح دوشاخہ تھی۔ چوتھے اور آخری پتے پر سورج کی تصویر تھی۔ پورا پتا سیاہ تھا۔ درمیان میں چمکتے ہوئے سورج کی تصویر رونالڈ کو دہکتی ہوئی محسوس ہوئی۔ وہ کوشش کے باوجود اس دہکتے ہوئے سورج سے اپنی نظریں ہٹا نہ سکا۔ یکایک اُسے احساس ہوا کہ یہ محض تاش کے پتے پر بنی ہوئی سورج کی تصویر نہیں تھی بلکہ یہ سچ مچ سورج ہے جو اُس کی آنکھوں میں چبھ رہا ہے۔

تیز چمک اور حدت سے اُس کی آنکھیں چندھیانے لگیں۔ اُس نے آنکھیں بند کرنا چاہیں، لیکن اُسے احساس ہوا کہ وہ اپنے جسم کو جنبش دینا تو درکنار آنکھیں جھپکانے تک کی قدرت سے یکایک محروم ہو گیا ہے۔ اُس کے ذہن میں چمکیلی سی دُھند چھانے لگی۔ اس نے اپنے ہاتھ پاؤں پر کسی رسی نما لجلجی سی شے کی گرفت سخت ہوتی محسوس کی۔ تاش کے پتے پر بنی ننھے سے سورج کی تصویر اُسے بڑی ہوتی محسوس ہوئی۔



رونالڈ اپنی بیوی سارا اور بیٹی پیگی کے ہمراہ چھٹیاں گزار کر واپس لوٹ رہا تھا۔ ان کا پورا سفر چھٹیوں کے بیتے لمحات اور تفریحات کی خوشگوار یادیں دہراتے گزرا تھا۔ رونالڈ سوچ رہا تھا کہ اب ایک مرتبہ پھر ان سب کو اپنی معمول کی مصرفیات میں ڈوب جانا پڑے گا۔ بیوی کی گھرداری...... اور اس کی وہی دفتری مصروفیات ہوں گی۔ صبح سویرے اُٹھنا، تیار ہونا، ناشتہ کرنا اور وقت پر دفتر پہنچنا۔ سارا گھر کے بکھیڑوں میں الجھ جائے گی اور پیگی، وہ بھی دوبارہ اپنے پرانے معمولات میں مصروف ہو جائے گی۔ صبح اسکول جانا پھر واپسی پر اُس کی ننھی منی گڑیاں ہوں گی اور اس کا چھوٹا سا، پیارا سا کتا



ہو گا جن سے وہ پورا دن کھیلتی رہے گی۔

گاڑی گھر کے دروازے کے سامنے رُکی تو پیگی سب سے پہلے باہر نکلی۔ اُس کا کتا ٹونی بھی چھلانگ مار کر اس کے ساتھ ہی باہر کود گیا۔ وہ دونوں دوڑتے ہوئے مکان کے دروازے پر پہنچ گئے۔ رونالڈ ان کی بے تابی پر مسکرا دیا اور آگے بڑھ کر تالا کھول دیا۔

ابھی وہ پیگی اور ٹونی کے پیچھے پیچھے اندر جانے ہی والا تھا کہ اُسے عقب سے سارا کی حیرت زدہ آواز سنائی دی۔

"ارے رونالڈ! ذرا دیکھنا تو......!"

رونالڈ اندر جاتے جاتے ٹھٹھک کر رُک گیا اور مڑ کر پیچھے دیکھا۔

"کیا بات ہے سارا؟"

"ذرا یہاں تو آنا۔" سارا نے کہا۔ رونالڈ پلٹ کر اُس کے قریب آ گیا۔

"یہ یہاں کیسا پودا اُگ آیا ہے؟ کسی قسم کی بیل محسوس ہوتی ہے...... لیکن جب ہم یہاں سے گئے تھے تو یہ بیل اس وقت یہاں نہیں تھی۔"

رونالڈ نے دیکھا کہ واقعی بیرونی دیوار کے پاس زمین پر ایک پتلی سی بیل اُگ آئی تھی جو دیوار کے متوازی اوپر کی طرف چڑھتی ہوئی کھڑکی تک جا پہنچی تھی۔ اُسے اچھی طرح یاد تھا کہ اُس نے باغیچے میں اس قسم کی کوئی بیل نہیں لگائی تھی۔

"رونالڈ! جلدی سے اسے کاٹ ڈالو، ورنہ یہ ہمارے باغیچے کے دوسرے پودوں کا ستیاناس کر دے گی۔" سارا نے کہا۔ وہ اس بیل کو دیکھ کر پریشان سی ہو گئی تھی۔

"اوہ سارا ڈارلنگ۔" رونالڈ نے پیار سے سارا کے گال تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ "اس میں اتنا پریشان ہونے کی بھلا کیا ضرورت ہے۔ ذرا دم تو لینے دو۔ گھر پہنچتے ہی تم نے حکم چلانے شروع کر دیے۔ تم بے فکر رہو باغیچے کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ میں اس

بیل کو کاٹ دوں گا۔ ذرا سفر کی تھکان تو اتارنے دو، آؤ اندر چلیں۔"

وہ دونوں اندر چلے گئے۔ سارا کچھ دیر آرام کرنے کے بعد سفری بیگ سے سامان نکال کر الماری میں رکھنے لگی۔ استعمال شدہ میلے کپڑوں کو ایک جگہ جمع کیا اور گھر کی صفائی میں لگ گئی۔ دو گھنٹے بعد انہوں نے کھانا کھایا اور آرام کرنے کی غرض سے اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔

اگلی صبح جب رونالڈ کسی کام سے گھر سے باہر نکلا تو اُس کی نظر اس بیل پر پڑی جسے کاٹنے کا وہ سارا سے وعدہ کر چکا تھا۔ اب وہ بیل رات بھر میں حیرت انگیز حد تک بڑھ چکی تھی۔ رونالڈ کو بڑی حیرت ہوئی۔ صرف ایک رات میں کسی پودے کی اس حد تک افزائش اُس کے لئے بالکل نئی بات تھی۔ چنانچہ وہ اصل کام بھول کر باغیچے کے مغربی سرے پر بنے چھوٹے سے اسٹور سے کھرپا نکال لایا اور اس بیل کو کاٹنے کے لئے دیوار کی طرف بڑھا۔

اُس نے کاٹنے سے پہلے بیل کو ایک ہاتھ سے پکڑنا چاہا تو اُسے معلوم ہوا کہ وہ نہایت چکیلی اور لیسدار بیل ہے۔ ابھی اُس کی اُنگلیوں نے اس لیسدار بیل کو گرفت میں بھی نہیں لیا تھا کہ وہ فوراً اُس کے ہاتھ سے اس طرح نکل گئی جیسے زندہ مچھلی تڑپ کر نکل جاتی ہے۔

کسی انجانے خوف سے رونالڈ کانپ اٹھا۔ اُسے بیل میں کسی بڑی واضح حرکت کا احساس ہوا تھا۔ جب اُس نے ایک مرتبہ پھر اس بیل کو غور سے دیکھا تو یہ محسوس کر کے اُس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ وہ بیل عام بیلوں کی طرح کسی دوسرے پودے یا درخت کا سہارا لئے بغیر اوپر کی طرف چڑھی ہوئی تھی۔ یہ بڑی غیر معمولی بات تھی۔ کوئی بھی بیل کسی سہارے کے بغیر دیوار پر نہیں چڑھ سکتی۔ چند لمحوں تک رونالڈ اسے حیرت سے دیکھتا رہا۔ پھر اُس نے کھرپے والا ہاتھ بلند کر کے بیل پر وار کیا۔ اُسے یقین تھا کہ



کھرپے کے ایک ہی وار میں وہ کمزور سی بیل کٹ جائے گی لیکن دوسرے ہی لمحے اُسے جھٹکا سا لگا۔ اُس نے کافی قوت صرف کر کے بیل پر وار کیا تھا لیکن اس پر کوئی اثر نہ ہوا البتہ اُسے ایک باریک سی چیخ کی آواز سنائی دی جو درد میں ڈوبی ہوئی لگتی تھی۔ اُس نے بیل کے اُس حصے کا بغور مشاہدہ کیا جہاں اُس نے کھرپا مارا تھا۔ وہاں کسی ضرب کا نشان تک نہیں تھا۔ ایک بار پھر اُس نے بیل پر بھرپور وار کیا لیکن نتیجہ وہی نکلا۔ بیل بری طرح ہوا میں لہرا رہی تھی۔ اس پر کھرپے کی ضرب سے خراش تک نہیں پڑی تھی۔ دوسری بار بھی بیل سے باریک سی چیخ کی آواز سنائی دی تھی۔

رونالڈ تصویرِ حیرت بنا اس عجیب وغریب بیل کو دیکھتا رہا اور پھر اندر کی جانب چل دیا۔ سارا اُسی کی طرف آ رہی تھی۔ "یہ چیخ کی آواز کیسی تھی؟" سارا نے پوچھا۔

"میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔" رونالڈ نے کہا۔ "میں نے کھرپے سے اس بیل کو کاٹنے کی کوشش کی تھی، مگر وہ کٹتی ہی نہیں...... اور جو تم نے آواز سنی تھی۔ کھرپے کی ضرب لگنے سے بیل سے نکلی تھی...... تم ایسا کرو، اندر سے مجھے قینچی لا دو۔ اس سے تو کٹ ہی جائے گی۔"

سارا دوڑتی ہوئی اندر گئی اور قینچی لے آئی۔ رونالڈ نے قینچی کی مدد سے بیل کو کاٹنا چاہا۔ بیل بہت پتلی تھی مگر قینچی اُس پر چلتی ہی نہیں تھی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا کہ قینچی بیل پر پھسل رہی ہے۔

رونالڈ نے قینچی پر اپنی گرفت مضبوط کر کے ایک بار پھر بیل کو کاٹنا چاہا، مگر اس مرتبہ بھی وہ ناکام رہا۔ قینچی ایک مرتبہ پھر پھسل گئی بلکہ اب کی بار وہ بیل سے پھسلتی ہوئی ایک جھٹکے سے اُس کے ہاتھ سے چھوٹ گئی اور سیدھی اُس کی پنڈلی پر جا لگی اور وہاں سے خون رسنے لگا۔ رونالڈ پنڈلی پکڑ کر بیٹھ گیا۔

رونالڈ کو احساس ہوا کہ قینچی قدرتی طور پر نیچے کی طرف نہیں گری تھی بلکہ یوں لگا تھا

جیسے بیل نے اسے زور سے جھٹک کر اُس کی پنڈلی پر مارا ہو۔ مگر وہ اپنا یہ خیال اپنے تک ہی محدود رکھنا چاہتا تھا۔ کوئی بھی اُس کی اس بات پر یقین نہ کرتا بلکہ اُلٹا اس کا مذاق ہی اڑایا جاتا۔

وہ یہ سوچ سوچ کر بھی پریشان ہو رہا تھا کہ کل سے اس کی چھٹیاں ختم ہو رہی تھیں۔ اسے لازماً دفتر جانا تھا اور اس کے پیچھے اس کی بیوی اور بیٹی کی زندگی کو کتنا زبردست خطرہ لاحق ہوگا۔ اسے یقین تھا کہ یہ پراسرار بیل ان کے لئے خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔ اس نے ان پریشان کن خیالات سے گھبرا کر دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا اور دیوار کے پاس ہی بیٹھ گیا۔

سارا دروازے پر کھڑی سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ ''رونالڈ! اندر آ جاؤ، تمہاری ٹانگ سے خون نکل رہا ہے۔ میں دوا لگائے دیتی ہوں۔''

''ہاں۔'' رونالڈ نے سنبھلتے ہوئے کہا۔ ''تم اندر چل کر دوا وغیرہ نکالو۔ میں ابھی آتا ہوں۔''

اس کے اندر جاتے ہی رونالڈ قینچی لے کر ایک بار پھر بیل کی طرف متوجہ ہو گیا۔ اس مرتبہ اُس نے بیل پر براہ راست وار کرنے کی بجائے اس کا ایک پتا کاٹنے کی کوشش کی۔ اس مرتبہ اُسے کامیابی ہوئی۔ بیل سے پتے کا ایک حصہ کٹ کر زمین پر گر گیا۔ اس کے ساتھ ہی ایک ہلکی سی چیخ سنائی دی جو انسانی چیخ سے بے حد مشابہہ تھی۔ رونالڈ نے کٹا ہوا پتا زمین سے اٹھا کر کوٹ کی اندرونی جیب میں رکھا اور گھر میں چلا گیا۔



شعبۂ تحقیق زراعت، بریڈلے سے تقریباً پانچ میل کے فاصلے پر تھا۔ رونالڈ کو اکثر اپنے کام کے سلسلے میں یہاں آنا پڑتا تھا۔ اس لئے یہاں کے کئی سائنسدان اور افسروں سے اُس کی اچھی خاصی شناسائی تھی۔ ڈاکٹر مائیکل تو اُس کا پرانا اور بے تکلف دوست



تھا۔ ڈاکٹر مائیکل نہایت خوش اخلاق اور ذہین شخص تھا۔ تجربہ کار اور ریسرچ کمیٹی کا تمام عملہ اُس کی بے پناہ معلومات اور خداداد صلاحیتوں کی بناء پر اُس کا بڑا احترام کرتا تھا۔ اس وقت وہ رونالڈ کے سامنے آرام کرسی پر بیٹھا پائپ کے کش لے رہا تھا۔ رونالڈ گزشتہ روز کا وہ عجیب وغریب واقعہ بیان کر رہا تھا اور ڈاکٹر مائیکل آنکھیں نیم وا کئے بڑی توجہ سے سن رہا تھا۔

رونالڈ جب بات ختم کر چکا تو ڈاکٹر مائیکل آنکھیں بند کئے بیٹھا رہا۔ اُس کی فراخ پیشانی پر دو متوازی لکیریں اُبھر آئی تھیں جیسے وہ اس اہم مسئلے پر غور کر رہا ہو۔ چند لمحوں بعد اُس نے آنکھیں کھول کر ایک ہنکارا بھرا اور میز پر رکھا پتا اٹھا کر اسے اُلٹ پلٹ کر بغور دیکھنے لگا۔ رونالڈ کو وہاں آئے تقریباً ایک گھنٹہ ہو چکا تھا۔ اس عرصے میں ڈاکٹر مائیکل کئی بار اس پتے کو غور سے دیکھ چکا تھا۔ اب اُس نے پتے کو دیکھنے کے بعد ٹیلی فون پر اپنے اسسٹنٹ جیک کو بلایا۔ جب وہ اندر آیا تو ڈاکٹر نے اُس سے کہا۔

''مسٹر جیک! یہ پتا تو دیکھو۔ کیا اس قسم کی بیل کبھی تمہاری نظر سے گزری ہے؟''

جیک نے بھی بغور پتے کا مشاہدہ کیا اور نفی میں سر ہلا دیا۔ اس کے بعد ان دونوں کے درمیان بڑی ثقیل علمی گفتگو ہونے لگی جس کا ایک لفظ بھی رونالڈ کی سمجھ میں نہیں آیا۔ پھر ڈاکٹر مائیکل نے اٹھ کر الماری میں سے کئی ضخیم کتابیں نکالیں اور وہ دونوں ان کی ورق گردانی کرنے لگے۔

کافی دیر کے بعد ڈاکٹر مائیکل نے مایوس انداز میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔ ''معاف کرنا رونالڈ! ہم صرف اس پتے کی مدد سے کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکتے۔ جب تک ہم خود وہاں جا کر اس بیل کا جائزہ نہ لے لیں یقینی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ بیل سے کٹ جانے کے بعد پتے اپنی خصوصیات کھو بیٹھتے ہیں...... ویسے سرسری نظر سے دیکھنے پر اس بیل میں ایک انتہائی عجیب وغریب اور بالکل نئی قسم کے ریشے کی موجودگی

کا امکان ہے جو انسانی دماغ کے خلیوں سے مشابہہ ہے۔ تمہارے ہاں جا کر اس بیل کو دیکھنے کے بعد ہی ممکن ہے کہ ہم اس کے بارے میں یقین سے کچھ کہہ سکیں۔ اگر تم اجازت دو تو بیل کو ایک نظر دیکھ لیا جائے۔''

''کیوں نہیں مسٹر مائیکل۔ میری طرف سے آپ کو پوری اجازت ہے کہ اس پر تحقیق کر کے کسی نتیجے پر پہنچیں۔'' رونالڈ نے کہا۔ وہ ڈاکٹر مائیکل کی اس تجویز پر بہت خوش تھا۔ اب وہ بیوی اور بچی کی طرف سے مطمئن ہو کر اپنا دفتری کام جاری رکھ سکتا تھا۔

ڈاکٹر مائیکل نے دوسری مصروفیات کے باعث اپنے اسسٹنٹ جیک کو رونالڈ کے گھر بھیج دیا۔ رونالڈ اپنے دفتر چلا گیا۔ ڈاکٹر مائیکل نے رونالڈ کو یقین دلایا کہ اگر ضرورت پڑی تو وہ خود بھی وہاں چلا جائے گا۔ چنانچہ جیک اپنے ضروری سامان کے ساتھ رونالڈ کے مکان کے بالائی کمرے میں مقیم ہو گیا۔ اُس کے دفتر کی نسبت یہ علاقہ زیادہ پُرشور تھا۔ دفتر ایک پُرسکون علاقے میں واقع تھا۔ بہرحال وہ اس بیل سے چند پتے کاٹ کر اوپر کمرے میں لے گیا اور ان کا خوردبین کی مدد سے جائزہ لے رہا تھا۔ وہ یسوئی سے کام نہیں کر پا رہا تھا۔ باہر سے آتی ہوئی کتے کی مسلسل بھونکنے کی آواز اُس کے کام میں بری طرح حارج ہو رہی تھی۔

اُس نے اُٹھ کر کھڑکی سے باہر جھانکا۔ اس نے دیکھا کہ بچی بار بار گیند پھینک رہی تھی اور ٹونی اسے اٹھانے کے لئے بھونکتا ہوا اس پر لپکتا تھا۔ اس طرح وہ دونوں کھیل رہے تھے۔ جیک کھڑکی سے ہٹ آیا اور اپنے کام کی طرف متوجہ ہو گیا۔

اس نے خوردبین کے ذریعے اس بیل کے ایک پتے کو دیکھا تو اُسے اس کے اندر بہت سی نسیں اور چھوٹے چھوٹے خلیات حرکت کرتے نظر آئے۔ عین اسی لمحے باہر بچی کا کتا زور سے بھونکا جس سے جیک کے لئے اپنے کام پر توجہ دینا مشکل ہو گیا۔ اسے پتے میں مختلف نسیں اور خلیات متحرک نظر آ رہے تھے۔ وہ ان پر پوری توجہ دینا چاہتا



تھا۔ کیونکہ یہ بالکل انسانی دماغ کے خلیوں سے مشابہہ تھے۔ اس سے قبل اس قسم کا کوئی پتا اُس کی نظر سے نہیں گزرا تھا۔

کتا ایک مرتبہ پھر زور سے بھونکا اور ساتھ ہی سارا کی خوفزدہ سی چیخ سنائی دی۔ ''ٹو......نی......ی......!'' جیک تیزی سے کھڑکی کی جانب لپکا۔ سارا کی یہ چیخ بے وجہ نہیں ہو سکتی تھی۔

جیک نے کھڑکی سے باہر دیکھا کہ بیل کی پتلی سی شاخ کسی سہارے کے بغیر بل کھاتی، سانپ کی طرح لہرا رہی تھی اور کھڑکی کے عین نیچے ٹونی بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔ اس کی گردن کے گرد بیل کی ایک باریک ٹہنی پھانسی کے پھندے کی طرح جکڑی ہوئی تھی۔

جیک پوری بات سمجھ گیا۔ یہ بیل جس پر وہ تحقیق کر رہا تھا، ایک خونی بیل تھی اور وہ ایک جان لے چکی تھی۔ جیک اس خطرناک بیل کو دیکھ کر حیران پریشان ہو کر سوچنے لگا۔ 'کیا انسان کبھی کائنات کے رازوں سے پوری طرح واقفیت کا دعویٰ کر سکے گا؟...... نہیں......شاید کبھی نہیں......اس لامتناہی کائنات کے راز بھی بے شمار اور بیکراں ہیں جن کا احاطہ کرنا فانی انسان کی محدود سوچوں کے بس میں نہیں۔' وہ انہی خیالوں میں ڈوبا ہوا تھا کہ ایک جھٹکے سے کمرے کا دروازہ کھلا اور سارا اندر داخل ہوئی۔

وہ بے حد دہشت زدہ نظر آ رہی تھی۔ جیک نے اُسے تسلی دی اور اطمینان دلایا کہ وہ اسے اور اس کی بیٹی کو اس خطرناک پودے سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کرے گا۔ پھر اُس نے ڈاکٹر مائیکل کو ٹیلی فون پر پوری بات بتا دی اور اپنے لئے فوری طور پر زیادہ طاقتور خوردبینیں اور کیمیائی مرکبات طلب کئے۔ کتے کی موت کے حادثے نے اُسے اس معاملے کی خوفناکی کا بے طرح احساس دلا دیا تھا۔ وقت بہت کم تھا اور خطرہ بے حد قریب اور شدید تھا۔ یہ خونی بیل بہت تیزی سے بڑھ رہی تھی۔ جیک کی رائے میں یہ

بیل انسانیت کے لئے زبردست خطرے کی علامت تھی۔

اب تک دریافت شدہ پودوں کی پانچوں اقسام نباتاتی ارتقاء کی پانچ منزلوں یا پانچ مرحلوں کی نشاندہی کرتی تھیں لیکن یہ بیل ...... یہ عجیب قسم کی بیل اپنی نوعیت کے اعتبار سے ان پانچوں مرحلوں سے بہت آگے کی چیز تھی۔ یہ ارتقاء کی چھٹی منزل کی طرف رہنمائی کرتی تھی۔ جسے دیکھ کر پورے وثوق کے ساتھ یہ کہا جا سکتا تھا کہ اب گوشت خوری کی حد سے گزر کر پودوں میں بھی دائمی زندگی کے حصول کا شعور نشوونما پا رہا تھا۔

یہ صورت حال نوع انسانی کے لئے بے شمار ناقابل تصور خطروں کا پیش خیمہ ثابت ہو سکتی تھی۔ اس بیل میں عجیب قسم کا جذبہ خود حفاظتی پایا جاتا تھا۔ وہ خود پر وار کرنے والے پر جوابی وار کرتی تھی۔ جیک انہی خیالوں میں ڈوبا ہوا تھا۔ سارا اس دوران کمرے سے واپس چلی گئی تھی۔ فی الحال وہ سوائے سوچنے کے کچھ نہیں کر سکتا تھا جب تک کہ اُس کا مطلوبہ سامان تجربہ گاہ سے اُس کے پاس نہ پہنچ جاتا۔

”مسٹر جیک!“ سارا کی آواز پر وہ اپنے خیالات سے چونک پڑا۔ سارا دروازے پر کھڑی بار بار اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر رہی تھی۔

”کیا بات ہے مسز رونالڈ؟“ اُسے دیکھتے ہی جیک کو احساس ہوا کہ سارا بے حد پریشان ہے۔ اُس کے بال بے ترتیب ہو رہے تھے۔ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑ چکے تھے اور وہ اپنی عمر سے کہیں زیادہ بوڑھی دکھائی دے رہی تھی۔

”معاف کیجئے، مسٹر جیک! میں آپ کے کام میں مخل ہوئی۔ ایک شخص آپ کے دفتر سے آیا تھا اور کچھ سامان چھوڑ گیا ہے۔ میں نے وہ سامان نیچے رکھوا دیا ہے۔“ سارا نے کہا۔

”اوہ، اچھا......“ جیک اُٹھ کھڑا ہوا۔ ”میں اسے یہاں لے آتا ہوں۔“ وہ سارا کے ہمراہ نیچے آیا۔ ڈرائنگ روم سے گزرتے ہوئے سارا نے پیگی سے کہا۔



”پیگی، قالین گندا نہ کرو۔ اُٹھو، شاباش باہر جا کر کھیلو۔“

”نہیں مسز رونالڈ۔ بچی کو باہر نہ بھیجئے تو اچھا ہے۔“ جیک نے کہا۔ پھر وہ خوردبین اور دوسرا سامان اٹھا کر اپنے کمرے میں آ گیا۔ اس نے کتے کی گردن کے گرد لپٹی ہوئی بیل کے کچھ ٹکڑے بھی کاٹ لئے تھے۔ اب وہ انہیں اس حساس خوردبین کے ذریعے دیکھ رہا تھا۔ ان میں اسے دماغی ریشوں کا ایک مکمل نظام صاف دکھائی دے رہا تھا۔ یہ دیکھ کر اُس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ ہر ٹہنی میں ایک مکمل، حساس اور فعال دماغی اور اعصابی نظام سے مشابہہ ایک نظام موجود تھا۔ گویا ہزار ٹہنیوں میں ہزار دماغ۔ ”اُف!“ وہ کانپ اٹھا۔ موجودہ صورت حال اس کے اندازے سے بھی زیادہ خطرناک تھی۔ یہ بیل انسانی زندگی کے لئے تباہ کن ثابت ہو سکتی تھی۔ یہ صرف رونالڈ اور اس کے اہل خانہ کے لئے خطرہ نہیں تھا بلکہ یہ تو عالم انسانی کے لئے انتہائی خطرناک تھی۔

وہ اُٹھ کر کھڑکی کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ اُس نے نیچے اس بیل کی طرف دیکھا۔ وہ بیل اب کھڑکی کے بہت قریب پہنچ چکی تھی۔ اس کی نشوونما کی رفتار حیران کن حد تک تیز تھی۔ اس کی بے شمار پتلی پتلی شاخیں کسی سانپ کی طرح خود بخود ہوا میں لہرا رہی تھیں، جیسے وہ زندہ ہوں۔ گویا کوئی ان دیکھا ہاتھ انہیں حرکت دے رہا ہو۔ جیک چند لمحوں تک انہیں دیکھتا رہا۔ پھر واپس میز کی طرف جا کر اپنی اب تک کی تحقیقات کے نتائج درج کرنے لگا۔

ابھی وہ بمشکل ایک صفحہ ہی مکمل کر پایا تھا کہ اُسے اپنے کان کے بہت قریب سرسراہٹ سی محسوس ہوئی۔ اُس نے گردن موڑ کر دیکھا...... اور بس...... وہی آخری لمحہ تھا جب اُس نے ہوش و حواس کے عالم میں اس دنیا کو دیکھا تھا۔ وہ بیل کھڑکی تک پہنچ چکی تھی۔ صرف کھڑکی تک ہی نہیں، بلکہ اُس کی ٹہنیاں کھڑکی کے راستے کمرے میں داخل ہو چکی تھیں۔ جیک نے جیسے ہی گردن موڑ کر کھڑکی کی طرف دیکھا، دوسرے ہی

لمبے ایک پتلی مگر مضبوط لچکدار ٹہنی لہراتی ہوئی اُس کی گردن کے گرد لپٹ گئی۔ جیک نے اُسے ایک ہاتھ سے ہٹا کر خود کو بچانے کی کوشش کی، لیکن ٹہنی کی گرفت بہت مضبوط تھی۔ اُس نے بہت ہاتھ پاؤں مارے مگر بے سود۔ وہ پھندا اُس کی گردن کے گرد تنگ سے تنگ تر ہوتا چلا گیا۔ دفعتہً وہ فرش سے چند فٹ اوپر اٹھ گیا۔ اب وہ ہوا میں معلق بے جان جسم میں تبدیل ہو گیا تھا۔ بیل نے اسے پھانسی دے کر اس کی جان لے لی تھی۔ ایک منٹ کے اندر اندر ہی ایک صحت مند اور توانا نوجوان اس پراسرار پودے سے زندگی کی بازی ہار چکا تھا۔ اس پودے کا یہ دوسرا شکار تھا۔



سارا کی حالت بے حد خراب تھی۔ وہ گم صم بیٹھی اچانک چونک جاتی اور خوفزدہ سے انداز میں اِردگرد دیکھنے لگتی۔ اُس نے سب سے پہلے جیک کی موت کا منظر دیکھا تھا اور یہ منظر گویا اس کے ذہن پر نقش ہو گیا تھا۔ جیک کی تدفین کی رسومات مکمل ہو چکی تھیں۔ سارا اس وقت ڈرائنگ رُوم میں بیٹھی مسلسل سسکیاں لے رہی تھی۔ رونالڈ اُس کے قریب بیٹھا اُسے تسلیاں دے رہا تھا۔ ڈاکٹر مائیکل ڈرائنگ رُوم میں بڑے اضطراب کے عالم میں ٹہل رہا تھا۔ اس کی ادھ کھلی غنودہ سی آنکھوں میں تشویش کے گہرے تاثرات تھے۔ وہ بار بار کنپٹی سہلانے لگتا۔

''حیرت انگیز......! ناقابل یقین۔'' وہ بڑبڑایا۔

''یہ بات ہمیں ہی کیا، ہر سننے والے کو ناقابل یقین معلوم ہو گی لیکن جو حقیقت سامنے آئی ہے، اسے جھٹلایا بھی نہیں جا سکتا۔'' رونالڈ نے کہا۔

''کیا جیک دن بھر بالائی کمرے میں تنہا ہی رہا تھا؟'' ڈاکٹر مائیکل نے سارا سے پوچھا۔

''جی ہاں۔'' سارا نے مختصر سا جواب دیا۔



''اس کی چیخ سن کر جب تم اوپر اس کے کمرے میں پہنچیں تو تم نے کیا دیکھا؟''

''وہ......وہ...... کمرے کے بیچوں بیچ فضا میں معلق تھا۔'' یہ کہہ کر سارا نے جھرجھری لی، پھر بولی۔ ''اُس کی گردن کے گرد بیل بری طرح کسی ہوئی تھی......اور اس بظاہر پتلی اور کمزور سی بیل نے جیک کو زمین سے اوپر فضا میں اٹھا رکھا تھا۔ میرے دیکھتے ہی دیکھتے جیک کا ساکت جسم فرش پر آ رہا۔ اُس کی خوردبین ٹوٹ چکی تھی......بس...... میں اس سے زیادہ نہیں دیکھ سکی اور چیختی ہوئی کمرے سے باہر آ گئی۔''

''کیا تم یہ بتا سکتی ہو کہ بیل کے جو ٹکڑے جیک کاٹ کر اوپر لے گیا تھا، ان میں کوئی لمبا ٹکڑا بھی تھا؟'' ڈاکٹر مائیکل نے پائپ میں تمباکو بھرتے ہوئے پوچھا۔

''ہاں......دو ٹکڑے خاصے لمبے تھے۔'' سارا نے جواب دیا۔

رونالڈ ڈاکٹر مائیکل کے سوال کا مطلب سمجھ کر اندر ہی اندر کانپ اُٹھا۔ ''اوہ......تو کیا......آپ کا مطلب یہ تو نہیں ڈاکٹر...... کہ جیک کے زیرِ مشاہدہ کسی لمبے ٹکڑے نے سانپ کی طرح اُس کی گردن کو اپنی گرفت میں لے لیا؟''

ڈاکٹر نے مغموم سے انداز میں سر کو جنبش دی۔ ''ممکن ہے......ایسا ہی ہوا ہو۔''

''گویا اس بیل کا کوئی ایک ٹکڑا بھی انسانی جان کے لئے اتنا مہلک ہو سکتا ہے؟'' رونالڈ نے خوفزدہ سے لہجے میں کہا۔

''ہاں۔ بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے۔'' ڈاکٹر مائیکل نے کہا اور پھر سارا سے پوچھا۔

''مسز رونالڈ، کیا آپ نے غور سے دیکھا تھا کہ وہ جو ٹکڑا جیک کی گردن سے لپٹا ہوا تھا، وہ کھڑکی سے آیا تھا یا ان ٹکڑوں میں سے تھا جو وہ نیچے سے کاٹ کر اپنے ساتھ لے گیا تھا؟''

''نہیں...... میں اس پر غور نہیں کر سکی۔'' سارا نے جواب دیا۔ ''دراصل جیک کو فضا میں معلق دیکھ کر میرے اوسان خطا ہو گئے تھے۔ میں اُسے فرش سے چند فٹ ہوا میں

معلق صرف لمحہ بھر ہی دیکھ پائی تھی۔ وہ فوراً بے جان ہو کر زمین پر گرا تھا۔ میں یہ سب کچھ دیکھ کر اس قدر حواس باختہ ہو گئی تھی کہ فوراً کمرے سے بھاگ کھڑی ہوئی تھی اور رونالڈ کو فون کیا تھا لیکن وہ دفتر سے گھر کے لئے روانہ ہو چکے تھے۔"

ڈاکٹر مائیکل چند لمحے سوچ میں ڈوبا رہا۔ پھر اُس نے کہا۔ "آؤ...... ہم سب اسی کمرے میں چلتے ہیں۔"

"اس کمرے میں......؟" سارا خوفزدہ ہو کر بولی۔

"ہاں۔ گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ ہم سب کو مل کر اس خونی بیل کا توڑ تلاش کرنا ہے۔" ڈاکٹر مائیکل نے تسلی آمیز لہجے میں کہا۔

سارا بادل ناخواستہ اٹھی اور رونالڈ سے لگ کر چلنے لگی۔ وہ تینوں اوپر کمرے میں پہنچ گئے۔ ڈاکٹر مائیکل نے سب سے پہلے وہ نوٹ بک اٹھائی جس میں جیک نے اس بیل کے متعلق اپنے تجربات اور مشاہدات کا نتیجہ تحریر کیا تھا۔ ڈاکٹر اسے پڑھنے میں اتنا منہمک ہو گیا کہ اُسے اپنے قریب سرسراہٹ کا احساس ہی نہیں ہوا۔ کھڑکی کی طرف سے وہی خطرناک بیل سانپ کی طرح لہراتی ہوئی نہ جانے کس وقت کمرے میں داخل ہو گئی تھی اور اب وہ ڈائری کے مطالعے میں محو ڈاکٹر مائیکل کے سر پر لہرا رہی تھی۔

"ڈاکٹر!"

رونالڈ اس بیل کو دیکھتے ہی چیخا۔ رونالڈ کی چیخ سن کر ڈاکٹر نے اُس کی طرف دیکھا اور پھر شاید اپنے سر پر منڈلاتے خطرے سے خبردار ہو کر وہ چھلانگ لگا کر وہاں سے دُور ہو گیا۔ بیل اب بھی اسی انداز میں لہراتی ہوئی ڈاکٹر کی طرف بڑھنے لگی۔ وہ خود کو بیل سے بچاتا ہوا کھڑکی کے قریب چلا گیا اور اُس نے ایک جھٹکے سے کھڑکی بند کر دی۔ بیل کھڑکی کے پٹ اور چوکھٹ کے درمیان بری طرح کچلی گئی۔ اس میں سے انسانی آواز سے مشابہہ ایک عجیب سی چیخ نکلی اور کمرے میں گونج گئی۔ تینوں افراد کے



چہرے خوف سے سفید پڑ گئے۔ بیل کا ایک لمبا حصہ کھڑکی بند ہونے سے کٹ کر فرش پر گر گیا تھا اور اس میں سے رقیق سا مادہ نکل کر فرش پر بہنے لگا۔

ڈاکٹر نے بڑے محتاط انداز سے وہ ٹہنی اٹھا کر اُسے غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "مسٹر رونالڈ! اس میں سے رسنے والا مادہ انسانی خون سے کس قدر ملتا جلتا ہے؟ میں نے عمر بھر کسی پودے سے ایسا مادہ خارج ہوتے نہیں دیکھا...... خیر...... تم مکان کی ساری کھڑکیاں بند کر دو۔ فوراً! اس بیل کو اندر آنے کا رستہ نہیں ملنا چاہئے۔"

رونالڈ بڑی عجلت میں کمرے سے باہر نکل گیا اور تھوڑی دیر بعد ڈاکٹر کی ہدایت پر عمل کر کے واپس لوٹا تو ڈاکٹر بغور اُس کٹی ہوئی ٹہنی کا معائنہ کر رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ بولا۔ "میں نے فیصلہ کیا ہے کہ تجربہ گاہ سے اپنے تمام ماتحت عملے کو یہیں بلا لوں۔ تاکہ سب مل کر اس پراسرار بیل سے چھٹکارا پانے کا کوئی طریقہ سوچ سکیں۔"

"ٹھیک ہے، جو آپ بہتر سمجھیں۔" رونالڈ نے کہا۔

ڈاکٹر مائیکل ٹیلی فون کی طرف بڑھا جو دروازے کے قریب ایک اسٹینڈ پر پڑا تھا۔ ریسیور اُٹھا کر کان سے لگاتے ہی اُس نے متحیر اور خوفزدہ لہجے میں کہا۔ "ارے...... ٹیلی فون تو بیکار پڑا ہے۔" رونالڈ اس دوران کمرے کی ایک کھڑکی بند کرنے لگا تھا۔ ڈاکٹر کی بات سن کر غیر ارادی طور پر اُس کی نظر کھڑکی سے اندر آتی ہوئی ٹیلی فون کے تار پر پڑ گئی۔ یہ دیکھ کر وہ خوف سے منجمد ہو کر رہ گیا کہ ٹیلی فون کا تار کھڑکی سے باہر کٹا ہوا تھا اور کٹے ہوئے سرے پر ایک باریک سی بیل لپٹی ہوئی تھی۔

"ڈاکٹر......!" رونالڈ بے اختیار ہو کر چلایا۔ "ٹیلی فون کے تار تو کٹے ہوئے ہیں۔"

ڈاکٹر مائیکل لپک کر اس کے پاس گیا اور کٹے ہوئے تار کو دیکھ کر پوری طرح سمجھ گیا۔ "اوہ...... یہ بیل تو بالکل انسانوں کی طرح سوچنے اور عمل کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اس نے ٹیلی فون کا تار کاٹ کر بیرونی دنیا سے ہمارا رابطہ منقطع کرنے کی کوشش

کی ہے۔" ڈاکٹر نے فکرمندی سے کہا۔ "مسٹر رونالڈ! ہم شدید خطرے میں ہیں۔ اب مجھے ہر حال میں تجربہ گاہ جانا ہوگا۔ ورنہ...... ورنہ، نہ جانے کیا ہو جائے۔"

ڈاکٹر اور رونالڈ تیزی سے دروازے کی طرف لپکے۔ سارا نے کچن سے انہیں جاتے ہوئے دیکھا لیکن خوف کے مارے ان سے پوچھ نہ سکی کہ وہ کیا کرنا چاہتے ہیں۔ رونالڈ نے دروازہ کھولا۔ ڈاکٹر مائیکل باہر نکل ہی رہا تھا کہ اُسے دیوار کی جانب سے ایک سایہ سا لہراتا نظر آیا۔ ڈاکٹر تیزی سے واپس پلٹا اور کمرے میں داخل ہو کر فوراً دروازہ بند کر دیا۔ باہر سانپ کی پھنکار سے ملتی جلتی آوازیں سنائی دے رہی تھیں اور محسوس ہوتا تھا جیسے بہت سی شاخیں دروازے سے ٹکرا کر اسے کھولنے کی کوشش کر رہی ہوں۔

"رونالڈ......!" سارا حلق کے بل چیخی۔ سارا کی وہ چیخ سن کر وہ دونوں گویا کسی خواب سے جاگ اٹھے۔ سارا باورچی خانے کی ایک کھڑکی کی طرف اشارہ کر رہی تھی جو نہ جانے کیسے کھلی رہ گئی تھی۔ سارا کا پورا جسم تھر تھر کانپ رہا تھا۔ کھڑکی میں سے سبز رنگ کی ایک پتلی سی بیل آہستہ آہستہ اندر آ رہی تھی۔ سارا چیخ مار کر باورچی خانے سے باہر آ گئی۔ اسی لمحے ڈاکٹر مائیکل نے نہایت پھرتی سے آگے بڑھ کر وہ کھڑکی بند کر دی۔

"سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنی ساری بیلیں اتنے مختصر سے وقت میں کیسے پیدا ہو گئیں اور انہوں نے اتنی جلدی ہر طرف سے اس مکان کو کیسے گھیر لیا۔" ڈاکٹر بڑبڑایا۔ اُس کی نظریں تمام بند کھڑکیوں کا جائزہ لے رہی تھیں۔

"اب...... اب کیا، کیا جائے ڈاکٹر!" رونالڈ کی خوف سے گھگھی بندھ گئی۔ "ان سب...... بیلوں نے تو ہمیں اس کمرے میں محصور کر دیا ہے۔"

"ہاں۔ ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ ہم میں سے کوئی شخص اس مکان سے باہر نہیں نکل سکے گا۔ ان بیلوں کے عزائم نہایت خطرناک معلوم ہوتے ہیں۔ کسی جانی دشمن کی طرح۔" ڈاکٹر لمحے بھر کے توقف کے بعد پھر بولا۔ "میرا خیال ہے یہ غیر معمولی قسم کی



بیلیں اچھی طرح سمجھ چکی ہیں کہ ہم میں سے کسی کا بھی باہر نکلنا ان کے لئے موت کا پیغام ثابت ہو سکتا ہے۔" ڈاکٹر گہری سوچ میں غرق کمرے میں ٹہلنے لگا۔

اچانک کمرے میں سارا کی سسکیاں اُبھریں۔ "میری بچی...... بچی...... نیچے ڈرائنگ روم میں کھیل رہی تھی...... نہ جانے...... نہ جانے اُس کا کیا......" رونالڈ نے اُسے خود سے لپٹا لیا۔ خود اُس کا چہرہ پیلا پڑ گیا تھا لیکن وہ اس وقت کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ کمرے سے نکلنا موت کو دعوت دینا تھی۔

ڈاکٹر نے ٹہلتے ٹہلتے رُک کر بند کھڑکیوں کی طرف دیکھا۔ کھڑکیوں کے شیشوں میں سے بیلیں مکڑی کے جالے کی طرح ہر طرف پھیلی نظر آ رہی تھیں۔ وہ خوفزدہ نظروں سے ان سرسراتی اور لہراتی بیلوں کو دیکھتے رہے۔ "کاش! میں کسی طرح تجربہ گاہ تک جا سکتا۔ لیکن باہر نکلنا موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔" ڈاکٹر نے حسرت ناک لہجے میں کہا۔

اس دوران میں اس کا پائپ بھی بجھ گیا تھا۔ ڈاکٹر نے جیب سے ماچس کی ڈبیا نکالی اور دیا سلائی جلا ہی رہا تھا کہ ایک چھناکے کی آواز سنائی دی۔ ایک کھڑکی کا شیشہ ٹوٹ گیا تھا۔ بہت سی بیلوں نے ایک ساتھ مل کر اُس پر زور کی ضرب لگائی تھی اور اب ایک غضبناک پھنکار کے ساتھ ایک مضبوط، موٹی اور لجلجی سی بیل اندر داخل ہو رہی تھی۔

سارا چیخ مار کر رونالڈ سے چمٹ گئی۔ رونالڈ سہمی ہوئی نظروں سے کمرے میں داخل ہونے والی اس خونی بیل کو دیکھ رہا تھا جو بتدریج اندر بڑھتی ہی چلی آ رہی تھی۔ موت اُس کی نظروں کے سامنے رقص کرنے لگی۔ اس نے سوچا کہ اس کی موت بھی کیسی عجیب و غریب انداز میں لکھی تھی۔ وہ خود بھی کہیں سنتا تو کبھی یقین نہ کرتا۔ بھلا ایک بیل...... ایک پودا انسانی جان کیسے لے سکتا تھا۔ لیکن یہ انہونی اس کے سامنے ہو رہی تھی۔ یہی

بیل ایک کتے اور ایک انسان کی جان پہلے بھی لے چکی تھی۔ اب ان کی باری تھی۔ وہ، اُس کی بیوی سارا، ان کی معصوم بچی پیگی اور ڈاکٹر مائیکل اس کا شکار ہونے والے تھے۔ دہشت سے رونالڈ نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

وہ بیل سیدھی ڈاکٹر مائیکل کی طرف بڑھ رہی تھی۔ شاید انسانوں کی طرح سوچنے اور عمل کرنے والی اس بیل کو معلوم ہو چکا تھا کہ یہی شخص اُس کے لئے خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔ ڈاکٹر مائیکل دیا سلائی جلائے گویا اپنی جگہ جم کر رہ گیا تھا۔ وہ ایک ہاتھ سے پائپ تھامے دوسرے ہاتھ کی دو اُنگلیوں میں جلتی ہوئی تیلی بلند کئے ساکت ہو گیا تھا۔ شاید موت کو سامنے دیکھ کر اُسے سکتہ ہو گیا تھا۔ بیل لہراتی ہوئی ڈاکٹر مائیکل کی گردن کی طرف بڑھ رہی تھی......!





بیل کسی سانپ کی طرح لہراتی ڈاکٹر مائیکل کی گردن کی طرف بڑھ رہی تھی۔ بیل بالکل ڈاکٹر کے چہرے کے قریب پہنچ کر دفعتہً پیچھے ہٹی۔ شاید اُس کے ہاتھ میں جلتی دیا سلائی کی تپش کے احساس سے بیل واپس پلٹی تھی۔ ڈاکٹر ایک دم ہوش میں آ گیا۔ موت کو اتنے قریب دیکھ کر اُس کے پسینے چھوٹ گئے تھے لیکن اُسے یہ نتیجہ اخذ کرنے میں دیر نہیں لگی کہ آگ اس پودے کا توڑ ہے۔

''رونالڈ......!'' ڈاکٹر حلق کے بل چیخا تو رونالڈ نے چونک کر آنکھیں کھول دیں۔ ''جلدی سے اخبارات اکٹھے کر لاؤ۔ اس بیل کا علاج آگ ہے...... جلدی کرو......''
ڈاکٹر نے وہ دیا سلائی پھینک کر فوراً دوسری جلا لی۔

رونالڈ اخبار لے آیا تو اُس نے انہیں موڑ کر رول کی شکل دے دی اور اس کے سرے کو آگ دکھا کر رونالڈ کے حوالے کر دیا۔ اب ٹوٹی ہوئی کھڑکی سے کوئی بیل اندر آنے کی کوشش نہیں کر رہی تھی۔ وہ یقیناً آگ سے خوفزدہ تھیں۔ ڈاکٹر مائیکل کے جسم میں سنسنی سی دوڑتی محسوس ہوئی۔ بالآخر اس خوفناک بیل سے نجات کا ذریعہ دریافت ہو گیا تھا۔

''رونالڈ! اسے یوں ہی پکڑے رہنا۔ ڈرنا نہیں۔ جب تک تمہارے ہاتھ میں آگ موجود ہے یہ بیلیں تمہارے نزدیک نہیں آئیں گی۔ ہمت سے کام لو۔'' ڈاکٹر مائیکل نے کہا۔ ''میں تجربہ گاہ کی طرف جا رہا ہوں تاکہ اس بیل سے حتمی چھٹکارا پانے کے اقدامات کر سکوں۔ اس مکان سے باہر نکلنے میں میری مدد کرو۔ میں جونہی باہر نکلوں تم

فوراً دروازہ بند کر لینا۔ میں جلد واپس آؤں گا۔"

"ڈاکٹر پلیز، اس وقت باہر مت نکلو۔ ورنہ تمہاری جان کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔" سارا بڑبڑائی جیسے خواب میں بول رہی ہو۔ اُس کا لہجہ بالکل سپاٹ تھا جیسے وہ اپنے ہوش وحواس میں نہ ہو۔

"مجھے ضرور جانا ہوگا۔" مائیکل نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔ "باہر جانے کی بہ نسبت یہاں ٹھہرے رہنا خطرناک ہے۔ مسٹر رونالڈ! دروازہ کھولو۔"

رونالڈ نے جیسے ہی دروازہ کھولا، بہت سی بیلیں ایک دم اُس کی طرف لپکیں لیکن اس کے ہاتھ میں کسی مشعل کی طرح جلتے اخبارات کی تپش کے سبب فوراً پیچھے ہٹ گئیں۔ مائیکل بھاگ کر باہر نکلا اور دوڑتا ہوا کار میں جا بیٹھا۔ رونالڈ اُس کے ساتھ تھا ورنہ بیلیں ڈاکٹر مائیکل کو یقیناً اپنی گرفت میں لے لیتیں۔ کار کے روانہ ہوتے ہی رونالڈ دوڑتا ہوا واپس اپنے مکان میں داخل ہوا۔ وہ سارا کے پاس پہنچا جو نیچے ڈرائنگ رُوم میں اپنی بچی پیگی کو سینے سے چمٹائے کھڑی تھی۔ وہ کھیلتے کھیلتے صوفے کے پیچھے سو گئی تھی اور اُسے نیند آ گئی تھی۔ اس طرح وہ خطرے سے محفوظ رہی تھی۔

رونالڈ کے چہرے پر اطمینان کے تاثرات دوڑ گئے۔ "سارا! اب فکر کی کوئی بات نہیں۔ بہت جلد سب ٹھیک ہو جائے گا۔ تم ذرا جلدی سے چند موم بتیاں لے آؤ تاکہ کھڑکیوں کی چوکھٹ پر انہیں جلا کر رکھ دیا جائے۔ ہم زیادہ سے زیادہ آگ روشن رکھ کر ہی محفوظ رہ سکتے ہیں۔ یہ اخبارات ختم ہو رہے ہیں۔"

سارا نے بچی کو صوفے پر لٹا دیا اور موم بتیاں اٹھا کر لانے کے لئے ایک طرف بڑھ گئی۔



تقریباً آدھے گھنٹے بعد ڈاکٹر مائیکل اپنے بہت سے معاونین کے ساتھ فائر پروف



لباس پہنے وہاں پہنچ گیا۔ اُن کے پاس آگ پھینکنے والے جدید آلات تھے۔ وہ سب رونالڈ کے مکان کے چاروں طرف پھیل گئے۔ انہوں نے کارروائی شروع کرنے میں ذرا بھی دیر نہیں لگائی۔ مائیکل انہیں تمام ہدایات دے چکا تھا۔ تھوڑی ہی دیر بعد جدید آلات سے شعلے نکلنے لگے۔ پُراسرار اور خطرناک بیلیں جلنے لگیں۔ باریک باریک بہت ہی مدھم آواز میں ایک دم شور بلند ہوا۔ وہ آوازیں ان بھسم ہونے والی بیلوں سے نکل رہی تھیں۔ جیسے وہ بری طرح سے چیخ رہی ہوں۔ فضا میں عجیب سی بساند پھیل گئی۔ بالکل ایسی جیسی گوشت کے جلنے سے اٹھتی ہے۔ وہ نیم حیوانی نیم نباتاتی مخلوق فنا کر دی گئی۔

رونالڈ ڈاکٹر مائیکل کے قریب کھڑا پُرتشکر انداز میں اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ "میں تمہارا شکر گزار ہوں ڈاکٹر! کہ تم اپنی کوششوں سے بالآخر میرے خاندان کو ان وحشی بیلوں سے نجات دلانے میں کامیاب ہو گئے۔"

"یہ میرا فرض تھا میرے دوست!" مائیکل نے کہا۔ "میری کوششیں صرف تمہاری اور تمہارے خاندان کی جان بچانے کے لئے نہیں بلکہ پوری انسانیت کے تحفظ کے لئے تھیں۔ یہ پودے اگر یوں ہی بڑھتے رہتے تو ایک دن زمین پر انسانی زندگی کا وجود ہی باقی نہ رہتا۔ آہ...... اس کوشش میں جیک نے اپنی جان قربان کر دی۔ خداوند تعالیٰ اُس کی اس قربانی کو اس کی نجات کا سبب بنا دے۔"

مائیکل کا لہجہ جیک کا ذکر کرتے ہوئے مغموم ہو گیا۔

پیگی اور سارا اُن کی طرف ہی آ رہے تھے۔ پیگی اس تمام ہنگامے سے بے خبر سو رہی تھی۔ وہ دوڑتی ہوئی آئی اور ڈاکٹر مائیکل کی ٹانگوں سے لپٹ گئی۔ "ڈاکٹر انکل! آپ بہت عظیم ہیں۔" اُس نے معصومیت بھرے لہجے میں کہا۔ "ممی کہتی ہیں اس ملک میں آپ سے بڑا سائنسدان کوئی بھی نہیں ہے۔" اُس نے اپنی چہکتی ہوئی معصوم آواز میں ڈاکٹر کو خراجِ تحسین پیش کیا۔

ڈاکٹر نے اُسے گود میں اٹھالیا اور پیار کرتے ہوئے بولا۔ ''بیٹی! میں تمہارے لئے ایک تحفہ بھی لایا ہوں۔'' وہ اُسے گود میں اٹھائے ہی کار کی طرف لے گیا اور پھر اُس نے اندر سے ننھا سا بھورے بالوں والا پلا نکال کر اُس کی گود میں دے دیا۔ ''یہ لو...... تمہارے لئے نیا ٹونی لایا ہوں۔''

''اوہ...... گریٹ انکل۔'' وہ خوشی سے بے قابو ہوگئی اور محبت سے ڈاکٹر کا گال چوم لیا۔ ڈاکٹر نے ہنستے ہوئے اُسے گود سے اتارا اور وہ پلے کو اٹھائے خوشی سے ناچتی اندر چلی گئی۔

ڈاکٹر مائیکل نے کچھ دیر بعد رونالڈ اور سارا سے اجازت چاہی۔ عملے کے تمام لوگ واپس جاچکے تھے۔

''کچھ دیر بیٹھئے ڈاکٹر! میں چائے بنا کر لاتی ہوں، چائے پی کر جایئے۔'' سارا نے کہا اور باورچی خانے کی طرف چل دی۔

''یقین نہیں آتا کہ ہمیں اس عذاب سے چھٹکارا مل گیا ہے۔'' رونالڈ نے گہری سانس لے کر کہا۔

ڈاکٹر نے تائید میں سر ہلایا۔ ''ہاں واقعی ہم ایک ہولناک عذاب سے گزرے ہیں۔'' اُس نے کہا۔ وہ اس وقت باغیچے کی طرف دیکھ رہا تھا جہاں سے کہیں کہیں اب بھی دُھواں اٹھ رہا تھا۔ ''اور یہ صرف آگ کی بدولت ہوا ہے، اگر ہمیں اتفاقاً یہ علم نہ ہوتا کہ یہ پودا آگ سے خوف کھاتا ہے، نہ جانے ہمارا کیا حشر ہوتا۔'' ڈاکٹر نے کہا اور جھرجھری سی لی۔

''میں سوچتا ہوں کہ اگر کبھی ایسا پودا یا بیل آگ سے حفاظت کا طریقہ جان گیا تو...... تو کیا ہوگا۔ بقول آپ کے یہ پودا سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔'' رونالڈ نے کہا۔



ڈاکٹر مائیکل نے جیب سے پائپ نکال کر اس میں تمباکو بھرتے ہوئے کہا۔ ''ہاں یہ سوچ واقعی کسی حد تک منطقی ہے۔ پھر اُس نے ماچس نکالی اور کلائی میں بندھی گھڑی میں وقت دیکھ کر چونک پڑا۔ ''اوہ...... مسٹر رونالڈ میں معذرت چاہتا ہوں کہ آپ کے ساتھ چائے نہیں پی سکتا۔ فی الحال میرا لیبارٹری پہنچنا ضروری ہے۔ خاصا وقت ہو چکا ہے۔'' پھر وہ ہاتھ ہلاتا ہوا رخصت ہوگیا۔ کار کے پاس پہنچ کر اس نے پائپ سلگایا اور بے خیالی میں جلتی ہوئی دیا سلائی ایک طرف پھینک کر کار اسٹارٹ کی اور روانہ ہوگیا۔

وہ اندر جا کر سارا کو بتانا چاہ رہا تھا کہ ڈاکٹر جاچکا ہے لہٰذا وہ چائے بنانے کی تکلیف نہ کرے۔ ڈاکٹر کی کار نظروں سے اوجھل ہوگئی تو وہ اندر جانے کے لئے پلٹتے ہوئے بری طرح چونک گیا۔ اُس نے دیکھا کہ وہ دیا سلائی ابھی تک جل رہی تھی، ڈاکٹر نے دیا سلائی جلے ہوئے پودے کی جڑ میں پھینک دی تھی اور اب اس جڑ میں سے ایک ننھی سی کونپل خاصی سرعت سے بلند ہو رہی تھی۔ مگر وہ بیل پہلی بیلوں کی طرح آگ سے ہٹ نہیں رہی تھی بلکہ دیا سلائی کے سرے سے بلند ہوتے شعلے کی طرح بڑھ رہی تھی۔ دفعتہً وہ چھوٹی سی کونپل چھوٹی سی بیل کی صورت اختیار کرگئی اور اس شعلے کی طرف تیزی سے آئی اور اُس نے با آسانی وہ شعلہ بجھا دیا۔ بالکل اس طرح جیسے کوئی انسان جلتی ہوئی موم بتی کو اُنگلیوں کی مدد سے بجھا دے۔

پھر وہ بیل، جس نے اب آگ سے محفوظ رہنے کا طریقہ سمجھ لیا تھا تیزی سے بڑھنے لگی۔ اب وہ بڑی تیزی سے کسی سانپ کی طرح لہراتی اور بل کھاتی رونالڈ کے مکان کی کھڑکی کی طرف بڑھنے لگی۔ اس کی نشوونما میں حیرت انگیز تیزی تھی۔ اب اس کی ٹہنیاں اور لجلجی شاخیں ہر طرف پھیلتی جارہی تھیں۔ اُس کا رخ مکان کی طرف تھا اور اب کھڑکی کے قریب پہنچ چکی تھی۔ رونالڈ کے پیر گویا زمین نے جکڑ لئے تھے۔ وہ تقریباً چاروں طرف سے اس بیل کی ٹہنیوں کے جال میں جکڑا جاچکا تھا۔ اب اس

سے بچنے کا کوئی طریقہ باقی نہیں رہا تھا۔ اس سوچنے سمجھنے کی صلاحیت رکھنے والی بیل نے گویا آگ سے بچاؤ کا توڑ دریافت کرلیا تھا۔ ڈاکٹر مائیکل جا چکا تھا۔ وہ ہوتا بھی تو کیا کرتا۔ ایسے پودے کے خلاف کیا قدم اٹھاتا جس پر آگ کے شعلوں کا بھی کوئی اثر نہیں ہوتا تھا۔ دفعتہً اُس نے اپنے قدموں کے پاس سرسراہٹ سی سنی۔ ایک دم وہ ہوش میں آ گیا۔ اُس نے دیکھا کہ بیل کی کچھ ٹہنیاں اس کے پیروں سے لپٹی تھیں اور بتدریج اوپر چڑھتی آ رہی تھیں۔ اُس کے حلق سے دہشتناک چیخ نکل گئی۔ اُس نے بھاگنے کی کوشش کی اور منہ کے بل گر پڑا۔ اس نے دیکھا کہ وہ خونی بیل کسی آکٹوپس کی طرح چاروں طرف اپنی ٹہنیاں پھیلائے بڑی تیزی سے حرکت کر رہی تھی۔ بیل کا اگلا سرا کھڑکی کے اندر داخل ہو چکا تھا اور پتلی پتلی لجلجی ٹہنیوں نے اسے جکڑ رکھا تھا۔ ان کی گرفت رونالڈ کے پورے جسم میں شدید ہوتی جا رہی تھی۔ اچانک مکان کے اندر سے سارا کی چیخ بلند ہوئی۔



ٹرین کے ڈبے میں موجود تمام مسافر اس سے بے خبر تھے کہ رونالڈ کس عذاب سے گزر رہا ہے۔ وہ ساکت بیٹھا ہوا تھا۔ وہ جلتا ہوا سورج اب بھی اُس کی آنکھوں میں چبھ رہا تھا۔ بتدریج اُس کی چندھیا دینے والی روشنی کم ہوتی گئی۔ کچھ دیر بعد ہی رونالڈ گویا ہوش میں آ گیا۔ اب وہ خود کو ٹرین کے ڈبے میں بیٹھا ہوا محسوس کر رہا تھا۔ اس کے چہرے سے عیاں تھا کہ وہ شدید ذہنی کشمکش میں مبتلا ہے۔

''کک...... کیا یہ سب کچھ واقعی میرے ساتھ پیش آنے والا ہے؟'' رونالڈ نے قدرے سنبھلتے ہوئے ڈاکٹر شیرک سے پوچھا۔

''صرف تمہارے ساتھ ہی نہیں، ہم سب کا انجام یہی ہونا ہے۔'' ڈاکٹر شیرک نے گمبھیر لہجے میں کہا۔ ''لیکن تمہیں مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ ابھی آخری پتا تمہیں



مستقبل میں آنے والے خطرات سے محفوظ رہنے کا طریقہ بھی بتائے گا۔'' یہ کہہ کر ڈاکٹر نے آخری پتا اٹھا کر اس طرح دیکھا کہ اس پر کسی کی نظر نہ پڑے۔ دفعتہً اُس کے چہرے پر مایوسی کے تاثرات چھا گئے۔

''کیا پتہ چلا ڈاکٹر...... بتائیے نا۔'' رونالڈ نے بے تابی سے پوچھا۔

''کچھ نہیں۔'' ڈاکٹر شیرک نے جلدی سے وہ پتا دیگر پتوں میں ملاتے ہوئے کہا۔

''پھر بھی۔'' رونالڈ نے اصرار کیا۔ ''جو بھی ہے، بتائیے نا! آپ چپ کیوں ہو گئے؟''

''مجھے اُمید نہیں تھی کہ آخری پتے سے یہ جواب ملے گا۔ بہرحال......! کیا، کیا جا سکتا ہے۔'' اُس نے رونالڈ سے آنکھیں چراتے ہوئے کہا۔

رونالڈ سمجھ گیا کہ جو کچھ اس نے دیکھا ہے اس سے نجات کا کوئی ذریعہ نہیں۔ وہ سب کچھ اس کے ساتھ ہو کر رہے گا۔ وہ سناٹے میں آ گیا۔

پورے کمپارٹمنٹ میں سکوت چھایا ہوا تھا۔

''ڈاکٹر! کیوں ہر ایک کو خواہ مخواہ پریشان کر رہے ہو؟'' ایڈی مارش نے اس بوجھل سناٹے کو توڑتے ہوئے کہا۔ ''بند کرو یہ بے ہودہ کھیل۔''

''یہ کھیل نہیں ہے مسٹر!'' ڈاکٹر شیرک نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔ ''یہ حقیقت ہے..... بلکہ یوں کہنا مناسب ہوگا کہ یہ محض تاش کے پتے نہیں ہیں، آئینہ ہیں۔ جن میں آپ اپنا مستقبل دیکھ سکتے ہیں۔''

''اونہہ...... آئینہ۔'' ایڈی مارش نے حقارت سے کہا۔

ڈاکٹر شیرک نے اُسے نظرانداز کرتے ہوئے کہا۔ ''کیا اور کوئی اپنے مستقبل کے بارے میں جاننا چاہتا ہے؟''

ایڈی مارش اخبار کی اوٹ میں چھپ گیا جیسے اُس نے ڈاکٹر شیرک کی بات سنی ہی نہ ہو۔ نوجوان امریکی کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔ صرف ایک شخص ڈاکٹر شیرک کی طرف

متوجہ تھا۔ اس لئے ڈاکٹر نے تاش اچھی طرح پھینٹ کر اُسی کی طرف بڑھا دیئے لیکن اس شخص کو جس کا نام ریکس تھا، مستقبل کے بارے میں جاننے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی کیونکہ اسے خوف تھا کہ کسی قسم کی ذہنی پریشانی میں مبتلا نہ ہو جائے جو یقیناً اس کے فن کے مظاہرے پر اثر انداز ہو سکتی تھی۔ اس طرح وہ اپنے پرستاروں کی توقعات پر پورا نہیں اتر سکے گا۔

وہ ایک موسیقار تھا۔ اُبھرتا ہوا موسیقار! ابھی وہ شہرت کے ابتدائی زینے پر تھا لیکن اس کے عزائم بڑے قوی تھے۔ مختلف تقریبات میں اپنے فن کا مظاہرہ کر کے لوگوں کو تفریح فراہم کرتا تھا۔ چنانچہ اُس نے تاشوں کی طرف یہ سوچ کر ہاتھ نہیں بڑھایا کہ ذہنی پراگندگی کے باعث وہ اپنے فن پر دھیان نہیں دے پائے گا۔ لیکن پھر یکایک اُسے احساس ہوا کہ ڈبے میں موجود تمام مسافر اُس کی طرف متوجہ ہو چکے تھے اور اسے یوں دیکھ رہے تھے جیسے اُس کی بزدلی کا مذاق اڑا رہے ہوں۔

بادل ناخواستہ اُس نے کہا۔ ''ٹھیک ہے۔ میں بھی قسمت آزما کر دیکھتا ہوں کہ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔'' اُس نے تاشوں کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔

اب ایڈی مارش بھی اخبار کی اوٹ سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

''میرا خیال ہے میں اپنے لئے پہلے ہی پانچوں پتے نکال لوں؟'' ریکس نے کہا۔

''نہیں۔ پہلے حسب معمول چار پتے۔'' ڈاکٹر شیرک نے قطعی لہجے میں کہا۔ ''پانچواں پتا جو نجات کا راستہ بتاتا ہے، بشرطیکہ نجات ممکن ہو، ہمیشہ بعد میں دیکھا جاتا ہے۔''

ریکس کے لئے اس کی بات ماننے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا لہٰذا خاموش رہا۔ پہلے پتے پر ایک خوبصورت پروں والے انسان کی تصویر تھی جو بانسری نما کوئی چیز بجا رہا تھا۔ اس کا چہرہ اور پَر صاف نظر آ رہے تھے لیکن بقیہ جسم سفید سی دُھند میں ملفوف تھا۔

''آپ موسیقار ہیں؟'' ڈاکٹر شیرک نے پتا دیکھ کر پوچھا۔



''ہاں، لیکن ابھی میں زیادہ مشہور نہیں ہوں۔''

دوسرے پتے پر ایک لڑکی کی تصویر تھی جو بالکل سیاہ تھی۔ سیاہ فام ہونے کے باوجود ریکس کو اس کے چہرے کے خدوخال بہت دلکش محسوس ہوئے۔ لڑکی کی جسمانی کیفیت اور اٹھے ہوئے ہاتھوں کے انداز سے معلوم ہوتا تھا جیسے وہ کسی دھن پر رقص کر رہی ہو۔ تیسرے پتے پر سمندر میں ایک عمارت سی نظر آ رہی تھی۔ غور سے دیکھنے پر ریکس کو معلوم ہوا کہ وہ ایک بحری جہاز تھا جو آدھے سے زیادہ سمندر میں غرق ہو چکا تھا۔ چوتھا پتا بھیانک منظر لئے ہوئے تھا۔ اس پر ایک انتہائی کریہہ صورت، خوفناک جادوگر کی تصویر تھی جس نے انسانی کھوپڑی گلے میں لٹکا رکھی تھی۔ اس کے سامنے بڑا سا ڈھول رکھا ہوا تھا جسے وہ بجا رہا تھا۔

''ارے، بہت خوب!'' ریکس نے ہنستے ہوئے کہا۔ ''ڈرم ماسٹر نے کیسا خوفناک بہروپ بھرا ہوا ہے۔''

ڈبے میں موجود کوئی مسافر اُس کے مذاق پر نہ ہنسا۔ البتہ ڈاکٹر شیرک کو اُس کی یہ بات بری لگی۔ اُس نے قدرے جھڑکتے ہوئے سے لہجے میں کہا۔ ''خبردار! دیوتاؤں کا مذاق نہیں اڑانا چاہئے۔''

''دیوتا!'' ریکس نے چونک کر دوبارہ تصویر کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ''یہ کس دیوتا کی تصویر ہے؟''

''ہاں۔ یہ طلسمی موسیقی کے عظیم دیوتا کی تصویر ہے۔'' ڈاکٹر شیرک نے جواب دیا۔ لیکن ریکس اس کی پوری بات سننے سے پہلے ہی کہیں بہت دُور پہنچ گیا۔ اُس کے کانوں میں وحشیانہ انداز میں ڈھول پیٹنے کی آوازیں آنے لگیں۔ ریکس خود موسیقار تھا۔ ڈھول کی تھاپ میں ایک عجیب سا آہنگ تھا جو اُس کے لئے قطعی اجنبی تھا۔ لیکن اسے سنتے ہوئے اسے عجیب سا سرور آنے لگا۔ اسے یہ معلوم ہی نہیں تھا کہ یہی طلسمی موسیقی کی

تھاپ ہے جسے 'وودُو' کہا جاتا ہے۔ وہ اپنے سر کی جنبش سے اس تھاپ کا ساتھ دینے لگا۔ تاش کے پتے پر اس خوفناک دیوتا کا چہرہ اب مسکراتا ہوا محسوس ہونے لگا تھا لیکن اس کی مسکراہٹ میں بھی عجیب سی پراسراریت تھی۔

''اُف......'' ریکس بڑبڑایا۔ ''یہ ڈھول پیٹنے کی آوازیں تو بہت تیز ہوتی جا رہی ہیں۔ یہ تو میرے کانوں کے پردے ہی پھاڑ ڈالیں گی۔ روکو...... ان آوازوں کو روکو......!'' اب وہ حلق کے بل چیخا۔ ''یہ آوازیں کہاں سے آ رہی ہیں؟ اُف خدایا۔ یہ شور بند کرو، بند کرو یہ شور......'' وہ چیخ رہا تھا چلا رہا تھا......لیکن بظاہر ڈبے میں موجود تمام افراد کے سامنے وہ ساکت بیٹھا ایک ٹک اس دیوتا کی تصویر کو گھورے جا رہا تھا۔

ریکس کے ذہن میں دُھندسی چھاتی چلی گئی۔ اُس کی آنکھوں کے سامنے طلسمی موسیقی کے دیوتا کی تصویر دُھندلا گئی۔ منظر بدلنے لگا۔ اب ریکس کو جو کچھ نظر آ رہا تھا وہ درحقیقت اُس کے مستقبل میں واقع ہونا تھا۔ مگر کسی پراسرار قوت نے اس مستقبل کے منظر کو ریکس کے سامنے یوں عیاں کر دیا تھا کہ اب وہ خود اس منظر کا کردار معلوم ہوتا تھا۔



اس وقت ریکس اپنے شہر کے ایک کلب میں موجود تھا۔ کلب سے باہر تو ابھی دن نکلا ہوا تھا لیکن کلب کے ہال میں تاریکی پھیلی ہوئی تھی۔ اس وقت رات کے لئے موسیقی کے پروگرام کے لئے ریہرسل ہو رہی تھی۔ ریکس ساز بجا رہا تھا لیکن رقاصائیں اس کی اُس کی دھن کا ساتھ نہیں دے پا رہی تھیں۔ ریکس کو خدشہ ہونے لگا کہ اگر رقاصائیں، دھن سے ہم آہنگ نہ ہو سکیں تو اُسے کلب سے جواب مل جائے گا۔ اس کی جگہ کوئی اور موسیقار تلاش کر لیا جائے گا۔

ریکس کو اپنے ساتھی پیانو نواز رابرٹ کا انتظار تھا۔ اس کے آنے پر آخری کوشش کی گئی۔ خوش قسمتی سے اس مرتبہ رقاصاؤں نے کوئی غلطی نہیں کی۔ کئی بار دہرانے کے بعد



بالآخر اس دھن کو رات کے پروگرام کے لئے فائنل کر دیا گیا۔

ریکس نے ریہرسل کے دوران دیکھا کہ اُس کا ایجنٹ سائمن بڑے غور سے اُس کی طرف دیکھ رہا تھا جیسے وہ اُس سے کوئی خاص بات کرنا چاہتا ہو اور اُس کے فارغ ہونے کا منتظر ہو۔ سائمن عجیب شخصیت کا مالک تھا۔ وہ اپنے آپ کو بہترین ایجنٹ سمجھتا تھا لیکن ریکس کے خیال سے وہ ایک اوسط درجے کا ایجنٹ تھا تاہم وہ اس کے سامنے اپنے ان خیالات کا اظہار نہیں کرتا تھا اور اس کی شیخی اور غرور کے باوجود اسے اچھا آدمی سمجھتا تھا۔ کیونکہ اس کلب میں بھی اُسے سائمن ہی کی بدولت کام ملا تھا۔

ریہرسل ختم ہوتے ہی سائمن تیزی سے اُس کی طرف آیا۔ ''ریکس! میں تمہارے لئے ایک خوشخبری لایا ہوں۔ سورج کی خوشگوار روشنی، دلکش راتیں، پھول اور خوشبو، گہرا نیلا آسمان، تتلیاں اور......''

''اوہو......تم شاعری کب سے کرنے لگے۔'' ریکس نے ہنستے ہوئے اُس کی بات کاٹی۔ ''شاعری چھوڑو، کام کی بات کرو۔''

''کام کی بات یہ ہے کہ ویسٹ انڈیز کے ایک جزیرے پائتی کے شہر ڈیوپانٹ میں ایک کلب ہے، کنگ کلب! وہاں تمہیں اپنا پروگرام پیش کرنا ہے۔ آنے جانے کا خرچہ، علاوہ دو سو ڈالر یومیہ......'' سائمن نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''بولو، کیا خیال ہے؟ اس سے بہتر پروگرام تمہیں آج تک نہیں ملا ہوگا۔''

حقیقت بھی یہی تھی۔ ریکس نے دل ہی دل میں اعتراف کیا۔ ''کب جانا ہوگا؟''

''پندرہ دن بعد......بس تیاری شروع کر دو۔''

ریکس کو وہ چھوٹا سا کلب یاد آیا جہاں سے اُس نے ایک گمنام موسیقار کی حیثیت سے اپنی فنی زندگی کا آغاز کیا تھا اور اب اُسے دور دراز جزیرے پر مدعو کیا جا رہا تھا۔ یہ اُس کے لئے ایک سنہری موقع تھا۔ وہ اپنے فن میں کوئی نئی جہت اختیار کرنے کا متمنی

تھا۔ وہ اپنے ہم عصر موسیقاروں کے محدود نظریات سے بہت آگے بڑھ کر سوچنا چاہتا تھا۔ نئی نئی انوکھی دُھنیں ایجاد کرنا چاہتا تھا اور اُس کا یہ مقصد دنیا کے مختلف علاقوں میں جانے سے ہی پورا ہوسکتا تھا۔

وہ موسیقی کے نام پر بے جا شور شرابے اور ہاؤ ہو کا سخت مخالف تھا جسے اُس کے ساتھی تجریدی دُھن کا نام دیتے تھے۔ اس میں مقبولیت عارضی ہوتی تھی۔ ریکس ایسا کر کے خود کو گمنامی کے سمندر میں غرق کرنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ ایک سچے فنکار کی طرح محنت کر کے اپنا جائز مقام حاصل کرنے کا قائل تھا۔ اسی محنت اور لگن کی بدولت ہی وہ اب کچھ جانا پہچانا جاتا تھا۔ اُسے امید تھی کہ ویسٹ انڈیز کا یہ دورہ اس کے لئے روشن مستقبل کا دروازہ ثابت ہوگا۔ ویسٹ انڈیز کی سرزمین، جس کے باشندے زندگی کی رنگینیوں سے بھرپور تھے۔ جہاں کے سورج میں زندگی تھی، جہاں کی موسیقی میں جان تھی۔ ریکس کو ان تمام چیزوں سے عشق تھا۔



وہاں پہنچ کر ریکس کو مایوسی نہیں ہوئی۔ شہر میں خاصی رونق تھی۔ فضا میں نغمگی سی طاری تھی اور بازاروں میں سیاہ فام عورتیں جدید ملبوسات پہنے شاپنگ کرتی نظر آ رہی تھیں۔ ان کے دلکش خدوخال اور ہلکورے لیتی چال میں رومانوی موسیقیت کا احساس ہوتا تھا۔ کنگ کلب ریکس کی توقعات کے عین مطابق تھا۔ وہ جزیرے پر پہنچنے کے چند گھنٹوں بعد ہی کلب جا پہنچا تاکہ وہاں کے پروگراموں کے شیڈول اور تماشائیوں کے مزاج کا اندازہ لگا سکے۔

اُسے وہاں کا ماحول دیکھ کر خوشی ہوئی۔ کلب میں لوگ واقعی تفریح کی غرض سے آتے تھے۔ کلب میں شور وغل سا برپا تھا۔ ہلکی ہلکی روشنی میں جزیرے کے باسیوں کی سیاہ جلد چمک رہی تھی اور اُن کے قہقہوں میں جان تھی۔ اسٹیج پر بجائی جانے والی موسیقی



کے ساتھ وہ بھی ہاتھوں اور سر کو حرکت دے رہے تھے۔ جب ایک لوک گیت پیش کیا گیا تب تو لوگوں نے اس کی تال پر تھرکنا بھی شروع کر دیا تھا۔ ہال میں مقامی لوگوں کے علاوہ کچھ غیر ملکی سیاح بھی تھے۔ وہ لوگ بھی ہشاش بشاش نظر آ رہے تھے۔

ریکس اپنے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ ہال کے ایک کونے میں بیٹھ کر پسندیدہ نظروں سے اس ماحول کا جائزہ لے رہا تھا۔ اسٹیج سے آتی موسیقی کی لہریں ہال میں موجود لوگوں کے درمیان ہلکورے سے لیتی محسوس ہو رہی تھیں۔ اسٹیج پر پروگرام پیش کرنے میں جو آدمی سب سے نمایاں تھا وہ فارغ ہوتے ہی اسٹیج سے اتر کر ریکس کی طرف آیا۔

’’میرا نام براؤن ہے۔ آپ ریکس ہیں نا!‘‘

’’جی ہاں۔‘‘ ریکس نے اُس سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔

’’میرا ایجنٹ بھی سائمن ہے۔‘‘ براؤن نے کہا۔ ’’اُس نے مجھے آپ کی آمد کی اطلاع دی تھی۔‘‘

اسٹیج سے اب بھی ہلکی ہلکی موسیقی اُبھر کر ہال کی فضا میں بکھر رہی تھی۔ ایک نوجوان جوڑا اس کی لے پر تھرک رہا تھا۔ ریکس بڑی محویت کے عالم میں ادھر دیکھ رہا تھا۔

’’یہاں تمہیں ہر طرف حسن بکھرا نظر آئے گا۔‘‘ براؤن نے ریکس کے کان میں کہا۔ ’’اور فنکار کی بہت قدر کی جاتی ہے۔‘‘

ریکس اُس کی بات بڑی دلچسپی سے سن رہا تھا۔ دفعتہً اُس کے کانوں میں ایک سریلی سی آواز پڑی۔ ’’آپ سگریٹ لیں گے؟‘‘

اُس نے چونک کر اس نوجوان لڑکی کو دیکھا جو سگریٹوں کی ٹرے اٹھائے اس کے قریب کھڑی تھی۔ وہ لڑکی سانولی رنگت کے باوجود اتنی خوبصورت تھی کہ ضرورت نہ ہونے کے باوجود ریکس نے ایک پیکٹ اٹھا لیا اور جیب سے ایک نوٹ نکال کر ٹرے میں رکھ دیا۔ لڑکی کے سراپا کا جائزہ لیتے ہوئے ریکس نے وہ سنہری زنجیر دیکھ لی جس

کے ساتھ ایک چھوٹا سا لاکٹ لڑکی کے گلے میں پڑا ہوا تھا۔ اس لاکٹ پر ایک شبیہہ اُبھری ہوئی تھی جسے دیکھ کر ریکس کو اس خوبصورت لڑکی کی بد ذوقی پر افسوس ہونے لگا۔ وہ شبیہہ ایک مسخ شدہ خوفناک انسانی چہرے کی تھی جو مسکرا رہا تھا۔ لیکن اس مسکراہٹ میں بھی دہشت اور خوفناکی نمایاں تھی۔

''ایسی بد ذوق لڑکی میں نے پہلے کہیں نہیں دیکھی۔ ایسے خوبصورت چہرے کے پیچھے ایسی بھیانک تصویر......''

عین اسی لمحے ساز خاموش ہو گئے اور ہال میں ریکس کی بلند آواز کئی لوگوں نے سنی۔ سگریٹ فروش لڑکی نے قہر آلود نظروں سے ریکس کی طرف دیکھا۔ دیگر کئی لوگوں نے بھی اُسے گھور کر سرگوشیاں کیں۔ ان سب کی نظروں میں ریکس کے لئے واضح ناپسندیدگی کے آثار تھے۔ لڑکی نے سگریٹوں کی قیمت کاٹی اور باقی رقم اُس کے حوالے کر کے فوراً وہاں سے چل دی۔ ریکس نے اُسے ٹپ دینا چاہی لیکن لڑکی نے انکار کر دیا۔

اسٹیج پر دوبارہ ایک ساز بجنے لگا تو ناگوار خاموشی ختم ہو گئی۔ ریکس نے براؤن کی طرف دیکھ کر کہا۔ ''لڑکی تو برا مان گئی، میں نے کیا ایسی غلط بات کہہ دی آخر؟''

''صرف لڑکی ہی نہیں، یہاں موجود سب ہی لوگوں نے تمہاری بات کا برا منایا ہے۔'' براؤن نے کہا۔ ''میرے دوست! اس لاکٹ کی شبیہہ کوئی بدذوقی نہیں...... وہ شبیہہ یہاں کے مقدس دیوتا ڈمبالا کی ہے جو طلسمی موسیقی کا دیوتا کہلاتا ہے۔ اس کے بارے میں تمہیں بہت محتاط رہنا ہو گا۔ کوئی غلط بات منہ سے نہ نکالنا اس کے لئے۔ یہاں کا ہر آدمی اس کا پجاری ہے۔''

ریکس نے غور سے دیکھا کہ تقریباً تمام لڑکیوں نے ایسی ہی شبیہہ والا لاکٹ گلے میں ڈالا ہوا تھا۔ ہال میں ہر طرف اُسے وہی مسخ شدہ خوفناک چہرہ دکھائی دینے لگا۔ اُس نے اپنی یادداشت کو ٹٹولا۔ اُس نے طلسمی موسیقی کے دیوتا اور اس کے پیروکاروں



کے عجیب و غریب رسومات کے بارے میں ضرور کہیں پڑھا تھا۔ دھیرے دھیرے اُسے سب کچھ یاد آتا چلا گیا۔ اس نے کہا۔ ''تو یہ ہے وہ جزیرہ جہاں ڈمبالا دیوتا کی پوجا ہوتی ہے اور راتیں جاگتی ہیں۔''

''ہاں۔ یہاں رات بھر طلسمی دھن پر رقص ہوتا رہتا ہے۔'' براؤن نے کہا۔ ''تم جب اپنے ہوٹل میں جاؤ گے تو جنگل کی طرف سے تمہیں رات بھر یہ آوازیں سنائی دیتی رہیں گی...... ڈھول پیٹنے کی آواز...... اور وحشیانہ رقص۔''

ریکس کو یاد آیا کہ اُس نے اس جزیرے کے بارے میں ایک مضمون پڑھا تھا جو باتصویر چھپا تھا۔ جنون کے عالم میں جوان اور حسین لڑکیوں کا رقص کرتے کرتے بے سدھ ہو جانا، اور طلسمی موسیقی کی دھن پر ہر فکر سے بے نیاز ہو کر ناچتے رہنا...... یہ سب کچھ پڑھنا اور اپنی آنکھوں سے دیکھنا بالکل مختلف بات تھی۔ اُس کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ اس نے سوچا۔ آج اسے یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا موقع ملنے والا تھا۔

براؤن نے گویا اس کے خیالات پڑھ لئے تھے۔ اس نے ریکس کو سمجھاتے ہوئے کہا۔ ''میری بات مانو تو وہاں جانے کا خیال بھی دل میں نہ لانا۔''

''کیوں؟''

''کیونکہ یہ رقص ان کی مذہبی رسوم میں شامل ہے اور وہ لوگ پسند نہیں کرتے کہ کوئی انہیں دیکھے۔ اور باہر کے کسی آدمی کو اپنے ساتھ شریک کرنا بھی انہیں گوارا نہیں۔''



تھکن کے باوجود اسے نیند نہیں آ رہی تھی۔

ریکس اپنے ہوٹل کے کمرے میں لیٹا بے چینی سے پہلو بدلتا رہا۔ اُس نے سوچا شاید آب و ہوا کی تبدیلی کا اثر ہے۔ پھر اس نے محسوس کیا کہ لاشعوری طور پر کافی دیر سے اُس کے پاؤں کا انگوٹھا کسی دھن پر مسلسل حرکت کر رہا ہے۔ کسی ان سنی دھن پر......

لیکن شاید ایسا نہیں تھا۔ اس کا انگوٹھا کسی ان سنی دھن پر حرکت نہیں کر رہا تھا۔ بلکہ اس نے غور کیا کہ کوئی دھن، وہ کانوں سے تو نہیں سن رہا لیکن محسوس کر رہا ہے۔ عجیب بات تھی۔ ہر طرف خاموشی طاری تھی لیکن وہ محسوس کر رہا تھا کہ کہیں دُور سے دھیمی دھیمی آواز آ رہی تھی۔ وہ ڈھول پیٹنے کی آواز تھی۔ اب اسے وہ آواز سنائی بھی دینے لگی تھی۔

وہ اچھل کر بستر سے اٹھا اور کھڑکی کی جانب بڑھا۔ کھڑکی سے باہر دُور تک گھپ اندھیرے کا راج تھا۔ اب اُسے ڈھول کی آواز واضح طور پر سنائی دے رہی تھی۔

اس نے سوچا کہ باہر نکل کر معلوم کرنا چاہئے کہ یہ آوازیں کہاں سے آ رہی ہیں۔ اب اُسے ڈھول کی آواز کے ساتھ کچھ لڑکیوں کے ہنسنے کی آواز بھی سنائی دی۔ پھر وہ یہ سوچ کر بستر پر لیٹ گیا کہ آج آرام کرنا چاہئے، کل دیکھا جائے گا۔

اگلی صبح جب وہ اٹھا تو یہ بات بھول ہی چکا تھا اور تیار ہو کر جزیرے کی سیر کی غرض سے ہوٹل سے روانہ ہو گیا۔ چھوٹی بڑی سڑکوں اور بازاروں میں خاصی چہل پہل تھی۔ مقامی لوگ دُکانوں اور خوانچوں میں طرح طرح کا سامان سجائے بیٹھے تھے۔ مجموعی طور پر یہ جزیرہ مہذب دنیا سے زیادہ مختلف نظر نہیں آتا تھا۔ اگر کوئی فرق تھا تو بس یہی کہ یہاں کے لوگوں نے اپنے گلوں میں ڈمبالا دیوتا کی شبیہہ سجائی ہوئی تھی۔ ریکس کے لئے اس خوفناک شبیہہ میں کوئی حسن، کوئی جمالیاتی دلکشی موجود نہیں تھی۔

وہ ایک چھوٹے سے اسٹال پر رک کر سوچنے لگا کہ واپسی پر وہ اپنے ملنے جلنے والے دوستوں اور خاص طور پر پنکی کے لئے کیا تحفہ لے کر جائے۔ پنکی سے وہ محبت کرتا تھا۔ اسے یہاں صرف وہی منحوس شبیہہ نمایاں نظر آ رہی تھی۔ وہی مسخ شدہ مکروہ چہرہ! اُس نے سوچا پنکی سے شرارت کی خاطر ایک لاکٹ خرید ہی لے۔ اس نے آگے بڑھ کر ایک لاکٹ اٹھانا چاہا، لیکن ایک توانا اور سیاہ ہاتھ نے آگے بڑھ کر اس کی کلائی پکڑ لی۔

''نہیں جناب! یہ آپ کے لئے نہیں ہے۔'' وہ اسٹال کا بوڑھا مالک تھا۔



''کیوں؟ کیا یہ بیچنے کے لئے نہیں رکھے؟ میں اسے تحفے کے طور پر اپنے دوستوں کے لئے لے جانا چاہتا ہوں۔'' ریکس نے کہا۔

''معاف کیجئے جناب! دراصل ڈمبالا دیوتا کی یہ شبیہہ بڑی مقدس ہے۔ یہ صرف اس پر اعتقاد رکھنے والوں کے ہاتھوں فروخت کی جا سکتی ہے۔'' بوڑھے دکاندار نے ملائمت سے کہا۔ ''کیا آپ اپنے خداؤں یا دیوتاؤں کے مقدس نشانات غیر مذہب ہاتھوں میں دینا گوارا کرتے ہیں؟''

''اوہ۔'' ریکس نیم دلی سے مسکراتے ہوئے بولا۔ ''میں تمہارا مطلب سمجھ گیا ہوں۔ میں کسی کے مذہبی جذبات کو ٹھیس نہیں پہنچانا چاہتا۔''

اُس پر جھنجھلاہٹ سی طاری ہو گئی۔ اُسے اس جزیرے پر ہر طرف بھوت کی طرح ڈمبالا دیوتا کی شبیہہ دکھائی دینے لگی۔ ہر جگہ ہر موڑ پر وہ مسخ شدہ چہرہ لکڑی، پلاسٹک، تانبے اور سونے چاندی کی صورت میں موجود تھا۔ ریکس کی حالت یہ تھی کہ وہ آنکھیں بند بھی کرتا تو اُسے وہی چہرہ دکھائی دیتا۔ ہر جگہ دستیاب ہونے کے باوجود وہ اسے خرید نہیں سکتا تھا۔ یہی وجہ اس کی جھنجھلاہٹ کا سبب بنی ہوئی تھی۔

اس شام ریکس کو کنگ کلب میں اپنا پروگرام پیش کرنا تھا۔ وقت سے کچھ پہلے ہی وہ کلب پہنچ گیا۔ دھرتی دھیرے دھیرے اندھیرے کی چادر اوڑھنے لگی تھی۔ ہال میں نیم تاریک پراسرار سا ماحول طاری تھا۔ براؤن اپنے دیگر ساتھیوں سمیت ریکس کے پاس موجود تھا۔ ان لوگوں کا معاہدہ ختم ہو چکا تھا اور دوسرے دن وہ جزیرے سے رخصت ہونے والے تھے۔

پروگرام شروع ہوا۔ ریکس نے اپنا ترتیب دیا ہوا سازینہ شروع کیا۔ دس منٹ کے بعد ہی اسے محسوس ہونے لگا کہ تماشائی اس کے پروگرام کو پسند کرنے لگے ہیں۔ یہ احساس ہوتے ہی ریکس کے جسم میں گویا بجلیاں سی بھر گئیں۔ وہ بڑے مسرور کن انداز

میں بڑی محویت سے پروگرام پیش کرنے لگا۔ ریکس اور اس کے ساتھیوں نے کئی آئٹم پیش کئے جو بہت پسند کئے گئے۔ پروگرام کے اختتام پر ہال میں موجود تمام لوگ رقص کرنے لگے۔لڑکیوں کی گردن میں وہی مسخ شدہ چہرے کی شبیہہ چمکتی دکھائی دے رہی تھی۔ ریکس نے دل ہی دل میں عہد کر لیا کہ وہ اس راز کو جان کر رہے گا۔ آخر وہ ڈمبالا کی شبیہہ کیوں نہیں خرید سکتا؟

پروگرام کے اختتام پر ریکس نے کلب کی سیکرٹری سے بھی پوچھنا چاہا۔ وہ لڑکی اُس کی رہائش اور دیگر امور میں بڑی مددگار ثابت ہوئی تھی۔ اس لئے ریکس کو اُمید تھی کہ اس معاملے میں وہ اس کی ضرور مدد کرے گی اور تسلی بخش جواب دے گی لیکن وہ لمحہ ریکس کے لئے سخت شرمندگی کا باعث بنا جب اس کے استفسار پر کلب کی سیکرٹری اُس کے پاس سے یوں ہٹ گئی جیسے ریکس نے اُسے کسی بہت بڑے گناہ کی ترغیب دی ہو۔ اس کا شدید ردعمل جہاں ریکس کے لئے شرمندگی کا باعث بنا تھا وہاں اُسے سخت حیرت بھی ہوئی تھی کہ آخر یہاں کے لوگ اس شبیہہ سے اتنے خوفزدہ کیوں ہیں؟

غالباً براؤن ان کی گفتگو سن رہا تھا۔ وہ اُس کے قریب آیا۔ ''ریکس! میں نے تمہیں پہلے بھی کہا تھا کہ اس معاملے سے خود کو دُور رکھو...... یہ ڈمبالا کی طلسمی موسیقی اور رقص تمہارے دیکھنے کی چیز نہیں ہے۔ اس کے بارے میں زیادہ تجسس تمہارے لئے نقصان دہ ہوسکتا ہے۔''

ریکس خاموش رہا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اگر آج رات بھی اُسے کل کی طرح ڈھول پیٹنے کی آوازیں سنائی دیں تو ضرور ان کا سراغ لگانے کی کوشش کرے گا۔ کسی کی مدد کے بغیر۔ اس کے بعد خواہ کچھ بھی ہو۔ پھر وہ وہاں سے اپنے ہوٹل کی طرف روانہ ہو گیا۔



وہ گہری نیند سو رہا تھا کہ ڈھول پیٹنے کی تیز دھمک نے اُسے جگا دیا۔ ریکس اُٹھ کر



کھڑکی کے سامنے کھڑا ہو گیا اور آواز کی سمت کا تعین کرنے لگا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے وہ آواز سامنے کے جنگل سے آ رہی ہو اور وہ بھی زیادہ فاصلے سے نہیں بلکہ قریب ہی سے۔ اب وہ تھاپ خاصی تیز ہو چلی تھی۔ وہ وحشیانہ تھاپ اُسے اپنی طرف بلاتی محسوس ہو رہی تھی۔ ریکس نے جلدی جلدی لباس بدلا اور ہوٹل سے نکل پڑا۔ ہر طرف سناٹا طاری تھا اور اس سناٹے میں ڈھول کی 'ڈھم ڈھم' بہت پراسرار معلوم ہو رہی تھی۔

ہوٹل سے نکلتے ہی اُسے وہ آوازیں زیادہ واضح طور پر سنائی دینے لگیں۔ ڈھول کی دھمک اُسے یہ کہتی ہوئی محسوس ہوئی۔ ''آؤ...... آؤ...... جلدی آؤ'' وہ جنگل کی طرف جانے والی تنگ سی پگڈنڈی پر چل پڑا۔ جوں جوں وہ آگے بڑھتا رہا، اسے تپش سی محسوس ہونے لگی۔ پھر اسے اس کی وجہ بھی معلوم ہو گئی۔ کچھ فاصلے پر اُسے آگ کے شعلے اُٹھتے نظر آنے لگے۔ وہ اسی سمت چل پڑا۔ اب پورا منظر اُس کے سامنے تھا۔ جنگل کے اس حصے میں ایک بہت بڑا الاؤ دہک رہا تھا اور اس کے گرد مردوں اور عورتوں پر مشتمل ایک حلقہ ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے رقص کر رہا تھا۔ آگ کے گرد عجیب سے لباس میں ملبوس سیاہ فام ہیولے وحشیانہ اُچھل کود میں مصروف تھے۔ عورتوں نے ایسا لباس پہنا ہوا تھا جیسے قدیم زمانے کے بادشاہوں کے دربار میں رقص کرنے والی رقاصائیں پہنتی تھیں۔ مردوں نے چادر نما کوئی بھاری چیز کمر کے گرد لپیٹی ہوئی تھی اور ان کے جسم کا اوپری حصہ برہنہ تھا۔ ان کی سیاہ رنگت پسینے میں تر آگ کی روشنی میں چمک رہی تھی۔ وہ بڑے ردھم سے ڈھول کی تھاپ پر قدم اٹھا کر دوسری تھاپ پر بڑی زور سے زمین پر پاؤں مار رہے تھے۔ ان کے پاؤں کی دھمک سے گویا زمین کانپتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔ وقفے وقفے سے کسی شخص کی تحکمانہ آواز اس شور وغل پر حاوی ہو جاتی تھی۔ دوسرے ہی لمحے ڈھول کی تھاپ اور قدموں کی دمک گونج جاتی۔

حلقے کے اندر آگ کے الاؤ کے بے حد قریب ایک لمبا تڑنگا سیاہ فام ناچ رہا تھا۔

دہکتے الاؤ کی روشنی میں تارکول کی طرح اس سیاہ بدن کی چمک بڑی خوفناک تھی۔ اُس نے منہ پر نقاب ڈال رکھا تھا۔ اچانک اس نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کیے اور فوراً ہی ڈھول کی آواز بند ہوگئی۔ رقص کرنے والے ایک دم ہی اس طرح تھم گئے جیسے وہ ریموٹ سے کنٹرول کیے جانے والے کھلونے ہوں اور بٹن دبا کر انہیں روک دیا گیا ہو۔ کچھ ہی دیر بعد ڈھول دوبارہ پیٹا جانے لگا۔ اس مرتبہ اس کی دھمک مختلف انداز کی تھی۔ نقاب پوش وحشی آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر ناقابل فہم زبان میں بڑبڑانے لگا۔ جیسے وہ کسی نادیدہ رُوح سے ہمکلام ہو۔

رقص کرنے والے ایک نئے وحشیانہ عزم کے ساتھ ناچنے لگے۔ اُن کی اُچھل کود میں پہلے سے کہیں زیادہ شدت آگئی تھی۔ اس دھن پر وہ لوگ گویا دیوانے سے ہو گئے تھے۔

ریکس ایک جھاڑی کے پیچھے چھپ کر یہ ہوشربا منظر دیکھ رہا تھا۔ اُسے یقین ہونے لگا کہ اُس نے جس طلسمی موسیقی اور رقص کرنے کے بارے میں سن اور پڑھ رکھا تھا، یہی ہے۔ جس میں ان لوگوں کو اپنے تن من کا ہوش نہیں رہا تھا۔ وہ دم سادھے اس انوکھی تھاپ پر غور کرتا رہا۔ جلد ہی یہ اس کی سمجھ میں آگئی۔ اب وہ بھی اس تھاپ پر اپنے پاؤں اور سر کو جنبش دے رہا تھا۔ وہ اس ماحول میں اس طرح محو ہوگیا کہ خود کو الاؤ کے گرد ناچنے والوں کا حصہ سمجھنے لگا۔ پھر اُس نے جیب سے نوٹ بک نکالی۔ یہ طلسمی دھن اس قابل تھی کہ اسے لکھ لیا جائے۔ نوٹ بک نکال کر اُس نے وہاں تک آتی الاؤ کی روشنی میں پنسل سے اس دُھن کو موسیقی کی زبان میں تحریر کرلیا۔ مارے خوشی کے اُس کے جسم میں لرزش سی طاری ہوگئی۔ وہ ایک نایاب دھن دریافت کرنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ اس نے سوچا کہ جب وہ وطن واپس پہنچ کر اس دھن کو اپنے پروگرام میں پیش کرے گا تو ہر طرف اس کے فن کا ڈنکا بجنے لگے گا۔

وہ نوٹ بک بند کر کے جیب میں رکھنے ہی لگا تھا کہ اچانک ایک بھاری بھرکم سیاہ



ہاتھ اُس نوٹ بک پر حملہ آور ہوا۔ اس اچانک حملے سے گھبرا کر ریکس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ ایک دیو قامت سیاہ فام قہر آلود نظروں سے اُسے گھور رہا تھا۔ اُس کی سرخ آنکھوں سے برہمی عیاں تھی۔ ریکس نے اُٹھ کر وہاں سے بھاگ جانا چاہا لیکن اتنے میں دائیں بائیں سے مزید دو سائے جھپٹے اور اسے ہاتھوں پیروں سے اٹھا کر ڈنڈا ڈولی کر کے جھاڑیوں سے باہر لے آئے۔ ریکس یہ سوچ کر سرتاپا لرز اٹھا کہ کہیں وہ اُسے الاؤ میں نہ پھینک دیں۔ اُس نے پوری قوت سے خود کو چھڑانے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ اُس کے ہاتھ پیر شدید گرفت میں جکڑے ہوئے تھے۔ دہشت سے اُس کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔

اُنہوں نے اسے الاؤ کے قریب لا کر اس لمبے تڑنگے نقاب پوش کے سامنے بڑی بے دردی سے زمین پر پٹخ دیا۔ ریکس کو شدید چوٹیں آئیں لیکن اُس نے دل ہی دل میں شکر کیا کہ اسے آگ کے الاؤ میں نہیں پھینکا گیا۔ تمام ناچنے والے شعلہ بار نگاہوں سے اُسے گھور رہے تھے۔ اس نے اردگرد نظریں دوڑائیں۔ وہ چاروں طرف سے ان وحشیوں کے حلقے میں گھرا ہوا تھا۔

نقاب پوش دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا اُس کے بالکل سامنے آ کھڑا ہوا۔ اس کا پورا چہرہ نقاب میں چھپا ہوا تھا۔ اس کی صرف آنکھیں نظر آ رہی تھیں جو خون کی طرح سرخ تھیں۔ وہ کچھ لمحے انگارے کی طرح دہکتی آنکھوں سے ریکس کو دیکھتا رہا۔ دفعتہً اُس نے ہاتھ اٹھا کر ایک جھٹکے سے اپنا نقاب اتار دیا۔

ریکس بمشکل اپنی چیخ روک سکا تھا۔ اُس کی بھیانک صورت دیکھ کر اُس کے سارے جسم میں خوف کی لہر سی دوڑ گئی......!



''کون ہوتم ؟'' اُس نے بھاری آواز میں چلا کر پوچھا۔

''مم...... میں ایک موسیقار ہوں۔'' ریکس نے ہکلاتے ہوئے کہا۔ ''اس لئے میں نے اس دھن کوتحریری صورت میں نوٹ کرلیا ہے تا کہ......''

''خاموش......'' وہ بھیانک صورت شخص پہلے سے زیادہ گرجدار آواز میں بولا۔ ''تم نے مقدس دیوتا ڈمبالا کی دھن نوٹ کرنے کی گستاخی کی ہے۔ عظیم گناہ کے مرتکب ہوئے ہوتم، جس کی تمہیں ضرور سزا ملے گی۔'' اُس نے ریکس کے ہاتھ سے نوٹ بک چھین کر جلتے ہوئے الاؤ میں پھینک دی۔

''ارے...... یہ...... یہ کیا کیا تم نے؟'' ریکس نے تاسف بھرے لہجے میں کہا۔ ''یہ دھن تو میرے لئے بے حد قیمتی تھی۔ اس کے ذریعے میں لاکھوں کما سکتا تھا۔ تمہارا کیا نقصان تھا جو میں اس دھن سے کچھ مالی فائدہ حاصل کر لیتا۔''

''نہیں۔'' خوفناک آدمی نے ریکس کو گھورتے ہوئے کہا۔ ''یہ عظیم دیوتا کی ملکیت ہے اور یہ صرف اس کے عقیدت مندوں تک ہی محدود رہتی ہے۔ یہ قدیم ترین دھن ہے اور یہ عظیم دیوتا ڈمبالا کے ماننے والوں کے حلقے سے کبھی باہر نہیں نکلی۔

''قدیم دھنیں لوک دھن کے زمرے میں آتی ہیں۔'' ریکس نے جرأت سے کام لیتے ہوئے کہا۔ ''اور لوک دھنوں پر کوئی شخص اپنا قانونی حق ملکیت نہیں جتا سکتا...... وہ کسی کی ملکیت نہیں ہوتیں، اس لئے......''



لمبے تڑنگے، خوفناک صورت شخص نے ریکس کو کالر سے پکڑ کر کسی ہلکے پھلکے کھلونے کی طرح اٹھالیا اور اس کا چہرہ اپنے چہرے کے قریب لاتے ہوئے غرایا۔ ''کان کھول کر میری بات سن لو۔ ڈمبالا بڑا با اختیار اور بہت غضبناک دیوتا ہے۔ اگر تم نے اس کی امانت میں خیانت کی تو وہ تم سے ایسا بھیانک انتقام لے گا کہ قیامت تک تمہاری روح بھی تڑپتی رہے گی۔ تم چاہے کہیں بھی چلے جاؤ...... دنیا کے کسی بھی حصے میں جا چھپو، وہ ہر جگہ پہنچنے کی اہلیت رکھتا ہے۔ تم اس کے غضب سے نہیں بچ سکو گے۔'' ریکس کو اُس کے وجود سے بدبو کے بھبکے اٹھتے محسوس ہوئے۔

یہ کہہ کر اُس شخص نے ریکس کو دھکا دے کر دُور پھینک دیا۔ ''اب دفعان ہو جاؤ یہاں سے۔ پھر کبھی یہاں آنے کی کوشش مت کرنا۔''

ریکس حلقہ بنائے ہوئے لوگوں کے قدموں میں جا گرا۔ وہ فوراً اُس سے دور ہٹ گئے۔ جیسے وہ اس ناپاک اور نحس وجود کے لمس سے بچنا چاہتے ہوں۔ ریکس کو کافی چوٹیں آئیں لیکن جان بچ جانے کی مسرت ان چوٹوں سے کہیں زیادہ تھی۔ اُس نے سوچا، اگر وہ وحشی لوگ اسے زندہ آگ کے الاؤ میں جھونکنے کا فیصلہ کر لیتے تو وہ ان کا کیا بگاڑ سکتا تھا۔



ریکس بے چین سا رہنے لگا۔ اب اُسے کنگ کلب میں اپنا پروگرام پیش کرنے میں بھی زیادہ دلچسپی نہیں رہی تھی۔ وہ جلد از جلد واپس لندن پہنچنا چاہتا تھا۔ وہ خالصتاً کاروباری سوچ رکھنے والا آدمی تھا اور نت نئی دھنیں پیش کر کے شہرت اور دولت حاصل کرنے کا خواہشمند تھا۔ اس نے وہ دھن اور ڈھول کی مخصوص تھاپ اپنے ذہن میں محفوظ کر لی تھی۔ اس جزیرے پر اس دھن کو پیش کر کے مقامی لوگوں کی مذہبی روایات کو ٹھیس نہیں پہنچانا چاہتا تھا۔ اس طرح اسے بھی نقصان پہنچنے کا احتمال تھا۔ اس نے

انداز ہ کر لیا تھا کہ یہاں کے باشندے اس معاملے میں بڑے حساس اور جذباتی تھے۔ جنگل سے واپسی کے بعد اس پر یہ حیرت انگیز انکشاف ہوا تھا کہ وہ دھن اب بھی اس کے ذہن میں گونج رہی تھی۔ پھر اُس نے ایک اور نوٹ بُک میں اس دھن کو تحریر کر لیا تھا۔ اب وہ اپنے وطن جا کر لاکھوں کمانے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ اسے اس خوفناک صورت نقاب پوش کی دھمکی بے وقعت محسوس ہوئی تھی۔ ایسے توہمات پر وہ قطعاً یقین نہیں رکھتا تھا۔ وہ دیوی دیوتاؤں کے قصوں کو جاہل ذہنوں کے تخیل سے زیادہ اہمیت دینے کو تیار نہیں تھا۔ وہ اس بات پر قطعاً یقین نہیں رکھتا تھا کہ اس جزیرے سے ہزاروں میل دور لندن میں ڈمبالا دیوتا کی نحوستیں اسے کوئی نقصان پہنچا سکیں گی۔

بالآخر وہ دن بھی آ گیا جس کا ریکس کو بڑی بے چینی سے انتظار تھا۔ لندن کے ایک کلب میں اُسے عارضی طور پر ایک پروگرام مل گیا تھا۔ اس کلب میں کنگ کلب کی طرح منحوس دیوتا کی کریہہ المنظر شبیہیں نہیں تھیں جن سے ریکس خاصا الرجک ہو چکا تھا۔ براؤن بھی وہیں موجود تھا۔ اسے بھی اس کلب میں ایک پروگرام مل گیا تھا۔ کلب میں بے حد چہل پہل تھی۔ کچھ دیر بعد کلب کا مالک جو خود ہی اناؤنسر کے فرائض بھی انجام دیا کرتا تھا مائیک تھام کر اسٹیج پر آ گیا۔

''خواتین و حضرات! توجہ فرمایئے۔'' کلب میں یکلخت خاموشی چھا گئی۔ تمام حاضرین اسٹیج کی جانب متوجہ ہو گئے۔ ''آپ کے لئے بہت دُور پار سے ایک عجیب و غریب اور اچھوتا تحفہ پیش کرنے کا اعزاز ہمارے کلب کو حاصل ہو رہا تھا۔ نوجوان موسیقار ریکس حال ہی میں ویسٹ انڈیز کے دورے سے واپس آئے ہیں جہاں سے وہ ایک پراسرار اور طلسمی موسیقی کی دھن بڑی مشکل سے سمجھ کر آپ کے لئے یہاں تک لانے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ تو تشریف لاتے ہیں موسیقار ریکس! اپنے ووڈو میوزک کے ساتھ۔''



ہال تالیوں کے شور سے بھر گیا۔ روشنیاں مدھم کر دی گئیں۔ ریکس فخریہ انداز میں قدم اٹھاتا اسٹیج پر پہنچا۔ ہال میں بہت کم روشنی تھی۔ اسٹیج کی تیز روشنیاں بھی بجھا دی گئیں۔ تالیوں کا شور کم ہوا تو ریکس نے تمام حاضرین کا شکریہ ادا کیا اور بانسری پر دھن چھیڑ دی۔ اُس کے ساتھی ڈھول پر اس کا ساتھ دینے لگے۔ ریکس اپنے ساتھیوں کو خاصی محنت کے بعد وہ دھن سمجھا پایا تھا۔ یہ موسیقی دراصل اس ماحول سے تعلق ہی نہیں رکھتی تھی۔ یہ طلسماتی موسیقی ہزاروں میل دُور غیر مہذب اور جنگلی علاقے کی موسیقی تھی۔ سیاہ فام لوگوں کی مقدس موسیقی۔

ریکس نے آنکھیں بند کر لیں اور بڑے سکون اور یکسوئی سے بانسری بجانے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اُسے یوں محسوس ہوا جیسے بانسری پر اُس کا اختیار نہیں رہا۔ گویا اُس سے خود بخود سُر بلند سے بلند تر ہوتے جا رہے تھے۔ دفعتہً سرد ہوا کا جھونکا اُس کے ماتھے سے ٹکرایا۔ اُس کے نتھنوں میں ایک ایسی خوشبو آئی جو اس سے قبل اُس نے صرف ہائتی جزیرے میں محسوس کی تھی۔ پھر ایک دم ناگوار بدبو کا ایک بھبکا سا آیا۔ بالکل ایسی بدبو جو اُس نے جنگل میں آگ کے الاؤ کے گرد رقص کرتے لوگوں میں محسوس کی تھی۔ تب اُس نے سوچا تھا کہ یہ ناگوار بو آگ کے قریب ناچنے والوں کے جسموں پر بہنے والے پسینے سے آ رہی ہو گی یا وہ لوگ آگ میں کوئی ایسی چیز جلا رہے تھے۔ لیکن وہاں سے ہزاروں میل دُور یہاں لندن میں اس بو کا کیا کام۔ ریکس کو حیرت کا شدید جھٹکا لگا اور اُس نے آنکھیں کھول دیں۔

ایک رقاصہ کی لمبی زلفیں تیز ہوا میں لہرا رہی تھیں۔ اُس نے سوچا شاید پنکھے ضرورت سے زیادہ تیز چلا دیئے گئے ہیں۔ لیکن پنکھے تو اُسے بہت آہستہ چلتے نظر آ رہے تھے۔ باہر سے طوفان کا تیز شور سا بلند ہوا جو بتدریج بڑھتا چلا گیا۔ دروازوں کے پردے پھڑپھڑانے لگے۔ میزوں سے میز پوش اُڑ کر فضا میں لڑھکنے لگے۔

ریکس نے بانسری بجانا جاری رکھی اور اپنے ساتھیوں کی جانب دیکھا وہ بھی تیز ہوا میں ساز بجانے میں خاصی دقت محسوس کر رہے تھے۔ دفعتہً ریکس کے سامنے سے وہ کاغذ، جس پر دُھن تحریر تھی، ایک جھٹکے سے فضا میں اُڑ گیا۔ وہ کاغذ شیشے کے خاصے وزنی پیپر ویٹ کے نیچے دبا ہوا تھا۔ اُسے ایسا محسوس ہوا تھا جیسے کسی نادیدہ ہاتھ نے پیپر ویٹ کے نیچے سے وہ کاغذ نکال کر اوپر اچھال دیا ہو۔ کاغذ اسٹیج سے خاصا دور فرش پر جا گرا۔

طوفانی چیخیں بلند سے بلند تر ہوتی جا رہی تھیں۔ چنگھاڑتی ہوا میں سے ایسی اوازیں آ رہی تھیں جیسے کوئی غیر انسانی مخلوق غرا رہی ہو، چیخ رہی ہو، غضبناک ہو رہی ہو۔

رقاصائیں اسٹیج سے اتر گئیں۔ ہال میں رکھی میزیں اور کرسیاں اُلٹنے لگیں۔ تماشائیوں میں بھگدڑ سی مچ گئی۔ مردوں نے اپنی ساتھی لڑکیوں کا ہاتھ پکڑا اور باہر کی جانب دوڑے۔ کچھ لڑکیاں خوفزدہ ہو کر چیخنے لگیں۔ مردوں کے چہروں پر بھی سراسیمگی کے آثار تھے۔ وہ سب کسی ان دیکھی قوت سے ہراساں دکھائی دے رہے تھے۔ فرنیچر ٹوٹنے کی آوازیں بار بار بلند ہو رہی تھیں مگر ریکس اب بھی بانسری بجا رہا تھا۔ اس نے بانسری کو اپنے ہونٹوں سے الگ کرنا چاہا لیکن اب یہ اُس کے بس میں نہیں رہا تھا۔

طوفانی ہوا کی چیخوں کے ساتھ بانسری کی بلند آواز عجیب خوفناک سماں پیش کر رہی تھی۔ وہ بانسری بجائے جا رہا تھا۔ اُس کی آنکھیں حیرت اور خوف سے پھٹی پڑ رہی تھیں۔ اُسے محسوس ہوا کہ بانسری بجاتے بجاتے اس کے پھیپھڑے جواب دے جائیں گے۔ اسے اپنے ساتھیوں اور تماشائیوں میں مچی افراتفری کا بھی کوئی ہوش نہ رہا۔ پھر یکلخت ہال کی روشنیاں بجھ گئیں۔ گھپ اندھیرا چھا گیا۔ تھوڑی دیر بعد ریکس کی بانسری کی آواز بھی بند ہو گئی۔

چند لمحوں بعد جب دوبارہ ہال روشن ہوا تو کلب کے ہال میں ٹوٹ پھوٹ کا منظر نہایت ہولناک تھا۔ کوئی چیز سالم نہیں رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے ہال میں جنگلی بھینسے



گھس آئے ہوں اور انہوں نے ہر شے روند ڈالی ہو۔ کلب کا مالک اس نقصان کا جائزہ لے کر سر پیٹ رہا تھا۔ ”اُف..... میں تو تباہ ہو گیا...... برباد ہو گیا.....“

طوفان اچانک ہی بند ہو گیا تھا۔ جیسے یہ سب کچھ کسی میکانکی سسٹم کے تحت ہو رہا تھا اور اب کسی نے بٹن دبا کر ہر چیز کو ساکت کر دیا تھا۔ ریکس گہری گہری سانسیں لینے لگا۔

”آپ نے یہاں کا بیمہ تو کرا رکھا ہو گا؟“ براؤن نے کلب کے مالک سے پوچھا۔

وہ اُداس اُداس نظر آ رہا تھا۔

”جی ہاں۔“ کلب کے مالک نے جواب دیا۔ پھر وہ اپنے نقصان کا اندازہ لگانے کے لئے وہاں سے ہٹ گیا۔ اب وہاں براؤن اور ریکس کے علاوہ کوئی بھی موجود نہیں تھا۔ براؤن شدید نفرت اور غصے سے ریکس کو دیکھ کر بڑبڑا رہا تھا۔

”ڈمبالا دیوتا سے مذاق کرنے کا نتیجہ دیکھ لیا تم نے؟“

ریکس خاموش رہا۔ وہ اس وقت پیانو کی طرف دیکھ رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ پروگرام پیش کرتے وقت پیانو کی آواز ٹھیک سے نہیں آ رہی تھی لہٰذا اس کی مرمت کرنا پڑے گی۔

”کیا سوچ رہے ہو ریکس؟“ براؤن نے پوچھا۔

”میں اس پیانو کو ساتھ لے جانے کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔ یہ خراب نظر آتا ہے تاکہ گھر لے جا کر اس کی مرمت کر سکوں اور کل کے پروگرام.....“

”اتنے عذاب سے گزرنے کے بعد بھی تم کل کے پروگرام کے بارے میں سوچ رہے ہو۔“ پھر ریکس کو سمجھاتے ہوئے اُس نے کہا۔ ”اب تمہیں گھر جا کر آرام کرنا چاہئے۔“

”میں گھر جا کر آرام تو ضرور کروں گا..... لیکن تم کس عذاب کی بات کر رہے ہو؟“ ریکس نے حیرت سے پوچھا۔

”تم کیا سمجھتے ہو کہ یہ جو آندھی آئی تھی اور یہاں جو تباہی مچی تھی، یہ سب قدرتی تھے؟ بے وقوف! یہ ڈمبالا دیوتا کی نافرمانی کا نتیجہ ہے۔ تم نے اس کی دھن کو یہاں پیش کر کے کچھ اچھا نہیں کیا۔“

”چھوڑو یار۔“ ریکس نے کہا۔ ”میں ان چیزوں پر یقین نہیں رکھتا۔ یہ سراسر احمقانہ سی بات لگتی ہے کہ کوئی خیالی دیوتا مجھے نقصان پہنچانے کے لئے اتنی دور بھی آ سکتا ہے۔“ اُس نے کہہ تو دیا لیکن وہ اندر سے شدید تذبذب کا شکار تھا۔

”بہرحال۔“ براؤن نے گہری سانس لے کر کہا۔ ”میرا کام تمہیں سمجھانا تھا۔ اپنے برے بھلے کے لئے تم خود بہتر سوچ سکتے ہو۔“

”اب چلنا چاہیے۔“ ریکس نے گویا اُس کی بات سنی ہی نہیں۔ وہ اپنے کاغذات بیگ میں ڈالتے ہوئے بولا۔ ”اب کل پروگرام پیش کرتے ہوئے یہیں ملاقات ہو گی۔“

”شاید کل یہاں پروگرام نہ ہو سکے۔“ براؤن نے ہال کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

”کیوں؟“

”ظاہر ہے کل تک یہ جگہ پروگرام کے قابل نہیں ہو سکے گی۔ تمام فرنیچر ٹوٹ پھوٹ چکا ہے۔“ براؤن نے کہا۔

”چلو یہ اور بھی اچھا ہے۔“ ریکس نے سکون سے کہا۔ ”میں ایک دو دن میں اپنے آرکسٹرا کی رہی سہی خامیاں بھی دور کر دوں گا۔ پھر یہ دھن آج کی مقبول ترین دھن ہو گی اور ہر طرف موسیقار ریکس کے نام کا ڈنکا بجنے لگے گا۔“

براؤن استہزائیہ انداز میں مسکرایا۔ ریکس اُس سے مصافحہ کر کے چل دیا۔ پیانو کی مرمت اُس نے اگلے دن پر اٹھا رکھی۔ وہ ہال کے دروازے پر ہی پہنچا تھا کہ عقب سے اسے پیانو بجنے کی آواز سنائی دی۔ اس نے سوچا شاید براؤن ایسا کر رہا ہے۔ وہ



ایک نہایت اداس دھن بجا رہا تھا۔ ایک ایسی سوگوار دھن جو کسی کے جنازے پر بجائی جاتی ہے۔ ماتمی دھن۔ وہ ہال کے دروازے پر ایک لمحے کو رُکا اور مسکرا کر پلٹا۔ اُسے شدید حیرت کا جھٹکا لگا تھا۔ براؤن وہیں ساکت کھڑا تھا جہاں وہ اسے چھوڑ آیا تھا۔ پیانو خود بخود بج اٹھا تھا۔ وہ سر جھٹک کر چل دیا۔ اس نے سوچا شاید ہوا کے تیز جھونکے سے پیانو کے تار جھنجنا اٹھے ہوں لیکن ہوا تو اب بالکل ساکت تھی۔

”یہ شخص نقصان اٹھائے بغیر راہ راست پر نہیں آئے گا۔“ براؤن زیر لب بڑبڑایا۔



کلب سے نکل کر ریکس نے کھلی فضا میں چند گہری گہری سانسیں لیں۔ رات کے وقت وہ عموماً پیدل ہی گھر جایا کرتا تھا۔ اس وقت سڑکیں تقریباً سنسان پڑی ہوئی تھیں۔ وہ بے خوف گھر کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کلب میں اسے کیا ہو گیا تھا کہ بانسری کوشش کے باوجود اس کے ہونٹوں سے الگ نہیں ہو رہی تھی۔ اسے خیال آیا کہ شاید وہ خود بھی اس دلکش اور طلسماتی دھن کے سحر میں کھو گیا تھا اور ذہنی طور پر وہ اسے ختم نہیں کرنا چاہتا تھا۔ ”ہاں، یہی بات ہو سکتی ہے۔“ وہ چلتے چلتے بڑبڑایا۔ ”ڈمبالا دیوتا کا عذاب...... اونہہ۔“ اُس نے فٹ پاتھ پر پڑے پتھر کو زوردار ٹھوکر ماری۔ جیسے اُس نے وہ ٹھوکر تصوراتی دیوتا ڈمبالا کے منہ پر ماری ہو۔

تھوڑی ہی دُور جانے کے بعد ایک احساس نے اُس کے خیالات کے سلسلے کو پارہ پارہ کر دیا۔ وہ بڑی حیرت سے اِردگرد کا جائزہ لینے لگا۔ کلب کے ہال میں آندھی نے اتنی توڑ پھوڑ مچائی تھی مگر...... مگر باہر تو آندھی آنے کے ہلکے سے آثار تک نہیں تھے۔ ’تو کیا وہ آندھی واقعی صرف کلب کے ہال میں ہی آئی تھی... کیا واقعی وہ ڈمبالا دیوتا کا بھیجا ہوا عذاب تھا جو آندھی کی صورت میں نازل ہوا تھا؟ یہ سوچ کر وہ کچھ خوفزدہ ہو گیا۔

وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا سڑک کے کنارے کنارے چلنے لگا۔ یکلخت اُسے باہر کی ہوا

میں بھی وہی تیزی محسوس ہونے لگی۔ اُس کا کوٹ پھڑ پھڑانے لگا۔ اُس نے ایک موڑ کاٹا تو ایک لمبے تڑنگے سیاہ فام کو اپنے روبرو پایا۔ ریکس کی ریڑھ کی ہڈی میں سردی کی لہر سی دوڑ گئی۔ دفعتہً اُس کے نتھنوں سے بدبو کا بھبھکا سا ٹکرایا۔ یہ بدبو اس سیاہ فام کے وجود سے اٹھ رہی تھی۔ ریکس کا دماغ سن ہو کر رہ گیا۔ یہ وہی بدبو تھی جو اُس نے ویسٹ انڈیز کے جزیرے پر آگ کے گرد رقص کرنے والوں کے جسم سے اُٹھتی محسوس کی تھی۔

"آپ کے پاس ماچس ہوگی؟" سیاہ فام اُس کے قریب آ کر بولا۔

"ج...... جی ہاں۔" ریکس نے کوٹ کی جیب سے ماچس نکال کر اُسے تھمائی اور واپس لئے بغیر آگے بڑھ گیا۔ اب ہوا اور تیز ہوگئی تھی۔ اس کے ساتھ ہی اُسے اپنی گردن کے پاس گرم سی لجلجاہٹ کا احساس ہوا۔ اُس نے فوراً پلٹ کر دیکھا لیکن اس کے اردگرد کسی کا وجود نہیں تھا لیکن وہ ایسا محسوس کر رہا تھا جیسے کوئی نادیدہ جانور اس کے پیچھے پیچھے آ رہا ہے اور اس کی تھوتھنی اس کی گردن کے بالکل قریب ہے۔ وہ اس کی گرم گرم سانسوں کو اپنی گردن پر محسوس کر رہا تھا۔

اب ریکس نے خوفزدہ ہو کر دوڑنا شروع کر دیا۔ وہ جلد از جلد گھر پہنچنا چاہتا تھا۔ ایک موڑ پر کسی فلم کا پوسٹر لگا ہوا تھا جس میں ایک بن مانس دانت نکالے کھڑا تھا۔ ریکس کی نظر اس پر پڑی تو مارے دہشت کے اُس کے قدم لڑکھڑا سے گئے۔ بیگ اُس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اور وہ خود بھی ایک کوڑے کے ڈرم سے ٹکرا کر گر گیا۔ دفعتہً ایک خوفناک غراہٹ اُبھری اور ریکس خوف کی زیادتی سے اوندھے منہ زمین پر گر گیا۔ پھر جلدی سے سیدھا ہو کر بیٹھ گیا اور اٹھنے کی کوشش کی۔ اُس کی ٹانگیں بری طرح سے لرز رہی تھیں اور دل کی دھڑکن وہ حلق میں محسوس کر رہا تھا۔ کوڑے کے ڈرم سے ایک کالی بلی اُچھل کر باہر آئی اور اُس کے پاس سے گزر گئی۔ کوڑے کے ڈرم سے ٹکراتے ہی جو



خوفناک غراہٹ ریکس نے سنی تھی وہ یقیناً ڈرم میں موجود اس بلی کے حلق سے برآمد ہوئی تھی۔

ریکس اُٹھ کر پوری قوت سے بھاگنے لگا۔ وہ اپنی گردن پر گرم گرم سانسوں کا لمس اب بھی محسوس کر رہا تھا۔ سامنے سے ایک بے حد تیز رفتار کار اس کی جانب آ رہی تھی۔ اس کے قریب پہنچ کر کار اچانک رُک گئی۔ تھوڑی دور تک کار کے ٹائر بری طرح چیخے، سڑک پر لکیریں بناتے رُک گئے۔ ریکس ایک دم رک گیا اور سہمی سہمی نظروں سے کار کی طرف دیکھنے لگا۔ کار کی ڈرائیونگ سیٹ پر بھی اُسے ایک سیاہ فام بیٹھا دکھائی دیا۔ "کیا بات ہے مسٹر! آپ کچھ پریشان دکھائی دے رہے ہیں۔" سیاہ فام نے پوچھا۔ پھر اُس نے دانت نکالتے ہوئے کہا۔ "کیا میں آپ کی کچھ مدد کر سکتا ہوں؟"

"ن...... نہیں، شکریہ۔" ریکس نے ہکلا کر جواب دیا اور دوبارہ بھاگ اُٹھا۔ آخر وہ اپنے مکان تک پہنچ ہی گیا۔ اُس نے کپکپاتے ہاتھوں سے تالا کھولا اور اندر داخل ہو گیا۔ ریکس نے سکون کا سانس لیا۔ اب وہ خود کو محفوظ تصور کرنے لگا تھا۔ آندھی، شور و غل، خطرہ اور تمام مصیبتیں ختم ہو چکی تھیں۔ وہ خود کو ملامت کرنے لگا کہ خواہ مخواہ ہی پریشان ہو گیا تھا۔ شاید یہ اس اچانک آنے والی آندھی اور براؤن کی باتوں کا اثر تھا۔ اُس نے دل ہی دل میں براؤن پر لعنت بھیجی۔ اُس نے خواہ مخواہ اسے خوفزدہ کرنے کی کوشش کی تھی۔

اُسے کمرے کے اندر سے کسی کے سانس لینے کی آواز آنے لگی۔ پھر ایکدم اس آواز میں تیزی آ گئی۔ تب اُسے معلوم ہوا کہ وہ سانس لینے کی آواز نہیں بلکہ تیز ہوا کی سرسراہٹ تھی جو دم بہ دم بڑھتی جا رہی تھی۔ کھڑکیوں کے پردے زور زور سے پھڑ پھڑانے لگے۔ ریکس نے آگے بڑھ کر کھڑکیاں بند کر دیں۔ کمرے میں آتی تیز ہوا کا راستہ بند ہو گیا۔ اُس نے ٹیبل لیمپ جلایا اور جیب سے نوٹ بک نکال کر میز پر رکھ

دی۔ اُس نے نوٹ بک کی طرف دیکھا تو اُس کی نظریں وہیں جم کر رہ گئیں۔ نوٹ بک کی جلد پر اُسے وہ شبیہہ واضح طور پر نظر آ رہی تھی جو اُس نے ویسٹ انڈیز کے جزیرے پر لوگوں کے گلے میں دیکھی تھی۔ پھر اُس نے اپنی گردن پر گرم گرم سانسوں کا لمس محسوس کیا اور اپنے نتھنوں میں تیز اور ناگوار بدبو محسوس کی۔ اُسے واضح طور پر کمرے میں کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ اچانک ٹیبل لیمپ کی روشنی کم ہوگئی جیسے وولٹیج کئی گنا کم ہوگیا ہو۔ کمرے میں ملگجا سا اندھیرا پھیل گیا۔

ڈھندلی تاریکی میں ریکس کو ایک ڈراؤنا مسخ شدہ چہرہ دکھائی دیا۔ وہ ڈمبالا دیوتا کا چہرہ تھا۔ یہ محض ایک شبیہہ نہیں تھی بلکہ جیتا جاگتا چہرہ تھا۔ پراسرار دیوتا ڈمبالا سخت غیظ و غضب کے عالم میں پورے وجود کے ساتھ اس وقت کمرے میں ریکس کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کے اردگرد کئی سائے رقص کرتے نظر آ رہے تھے۔ رقص کرنے والوں کا وجود نہیں تھا وہ محض سائے تھے۔ ریکس کے کانوں میں وہی پراسرار موسیقی کی دھن سنائی دینے لگی۔ باہر سے شدید طوفان کا شور بھی اُسے سنائی دینے لگا۔

ڈمبالا دیوتا اُس کے قریب آ گیا۔ اُس کا خوفناک اور بھیانک چہرہ لحظہ بہ لحظہ ریکس کے چہرے کے نزدیک تک ہوتا جا رہا تھا۔ شدید بدبو کے باعث اس کا دماغ پھٹا جا رہا تھا۔ اس نے بدحواسی کے عالم میں اپنے دفاع کے لئے اور کچھ نہیں ملا تو وہی نوٹ بک اٹھالی اور اپنے چہرے کے سامنے لہرانے لگا۔ ڈمبالا کا خوفناک چہرہ اُس کے اور قریب آ گیا۔ اُس کے ہونٹ پھیلے ہوئے تھے اور ان کے درمیان سے جھانکتے لمبے لمبے دانت اس کی خوفناکی میں مزید اضافہ کر رہے تھے۔ اس وقت وہ بھیانک چہرہ دیکھ کر کہا جا سکتا تھا کہ اس سے زیادہ ہیبت ناک اور مکروہ چہرہ روئے زمین پر شاید ہی موجود ہو۔ اس ڈراؤنے چہرے کی دہشت اور ہیبت دنیا جہاں کے خوف و دہشت سے بالاتر تھی۔

پھر وہ دو بازو جو بازوؤں سے زیادہ پنجوں سے مشابہہ تھے ریکس کی طرف بڑھے۔



ریکس کو اپنی موت یقینی نظر آنے لگی۔ اُس نے دونوں بازوؤں میں چہرہ چھپا لیا۔ اُس نے سوچا بالآخر آخری گھڑی آن پہنچی۔ دفعتہً ایک کریہہ، فاتحانہ چیخ گونجی اور ریکس نے مارے خوف کے دل کی دھڑکن رُکتی محسوس کی۔ کسی نے ایک جھٹکے سے وہ نوٹ بک اُس کے ہاتھ سے چھین لی۔ اب ریکس پہلے سے بھی زیادہ دہشت سے اپنے انجام کا انتظار کرنے لگا۔

لیکن اچانک جیسے کوئی کرشمہ ہوگیا۔ وہ بدبودار سانس اب اس سے دُور ہوتی محسوس ہوئی۔ چند لمحوں بعد کمرے میں مکمل خاموشی چھا گئی۔ ریکس نے ڈرتے ڈرتے آنکھیں کھولیں۔ ڈمبالا دیوتا کمرے میں موجود تو تھا لیکن اب اُس کی جسامت میں ناقابلِ یقین حد تک کمی آ گئی تھی۔ وہ رقص کرتے سائے بھی کہیں تحلیل ہو گئے تھے۔ چند لمحوں کے اندر اندر ڈمبالا دیوتا صرف اتنے سائز کا رہ گیا جتنا کہ اس نے جزیرے پر لوگوں کے گلے میں پڑے لاکٹوں پر اس کی شبیہہ کا سائز دیکھا تھا۔ وہ ٹکٹکی باندھے اس شبیہہ کو دیکھتا رہا۔ پھر وہ شبیہہ بھی اس کی نظروں سے اوجھل ہوگئی۔ اب اس کے سامنے اپنی وہ نوٹ بک تھی جس کی جلد پر اسے ڈمبالا دیوتا کی شبیہہ نظر آئی تھی لیکن اب نوٹ بک کی جلد بھی سادہ نظر آ رہی تھی۔ دفعتہً ٹیبل لیمپ کی روشنی بڑھ گئی۔ کمرہ روشنی سے بھر گیا۔



ریکس نے شکر ادا کیا کہ جان بچ گئی لیکن وہ اس بات سے بے خبر تھا کہ اب اس کی زندگی سے سکون رخصت ہو چکا ہے۔ وہ زندگی کی آخری سانس تک اس خوفناک چہرے کی دہشت کو فراموش نہیں کر سکتا تھا۔ اٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے اسے وہی مکروہ چہرہ دکھائی دینے لگا۔ اس کے ذہن میں ڈمبالا دیوتا کی مسخ شدہ مکروہ شبیہہ اس طرح نقش ہو کر رہ گئی تھی جیسے اس نے جزیرے پر لاکٹوں پر نقش دیکھی تھی۔

اب اُسے پروگرام ملنا بھی بند ہو گئے تھے۔ موسیقی کا پروگرام پیش کرتے کرتے اُسے وہم سا ہونے لگتا کہ کوئی جانور اُس کی گردن پر اپنی تھوتھنی رکھے گہری گہری سانسیں لے رہا ہے۔ وہ دہشت زدہ ہو کر اسٹیج سے کود پڑتا۔ اس دیوتا کا منحوس چہرہ اُس کے اعصاب پر بری طرح مسلط ہو چکا تھا۔ وہ ٹھیک طرح سو بھی نہیں سکتا تھا۔ سوتے سے اچانک چیخیں مار کر اٹھ بیٹھتا۔ کسی لڑکی کے گلے میں کوئی لاکٹ دیکھتا تو اس میں اسے ڈمبالا دیوتا کی شبیہہ نظر آنے لگتی۔ وہ دھکا دے کر اس لڑکی کو اپنے سے دُور کر دیتا۔ زندگی اُس کے لئے عذاب بن گئی۔ وہ سوچنے لگتا کہ اس سے تو بہتر تھا کہ اسے موت ہی آ جاتی۔ دیوتا نے اسے زندہ چھوڑ کر اس سے بدترین انتقام لیا تھا۔

اس کی صحت دن بہ دن گرتی جا رہی تھی۔ ایک روز پنکی اُسے اپنے فلیٹ میں لے آئی۔ بارہویں منزل پر واقع اپنے فلیٹ کی بالکونی میں باہر کے خوبصورت نظارے سے لطف اندوز ہوتے ہوئے اُس نے ریکس کو سمجھایا۔ ”خود کو سنبھالو ریکس، یہ تمہیں کیا ہوتا جا رہا ہے۔“

”میری کچھ سمجھ میں نہیں آتا۔“ ریکس نے لمبی سانس کھینچ کر متاسفانہ لہجے میں کہا۔ ”کاش میں نے لوگوں کا کہنا مان لیا ہوتا تو آج میرا یہ حال نہ ہوتا۔“

”بہرحال، جو ہونا تھا ہو چکا۔ اسے بھولنے کی کوشش کرو۔ اس طرح تو تم خود کو تباہ کر لو گے۔ اور...... تم نے اس کرسمس پر مجھ سے شادی کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن میں اس حالت میں تمہارے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتی۔ ذرا سوچو تو......“

”اوہ پنکی ڈارلنگ!“ ریکس نے ہاتھ بڑھا کر اُسے اپنے قریب کر لیا۔ ”میں کل ہی فادر ڈین سے ملوں گا۔ وہ اس سلسلے میں یقیناً میری مدد کریں گے۔ وہ روحانیت میں خاصی شہرت رکھتے ہیں اور مجھے امید ہے کہ اس منحوس دیوتا......“

دفعتہً اُس کی نظر پنکی کے گلے میں پڑے لاکٹ پر پڑی اور اچانک اُس پر خوف



حملہ آور ہوا۔ اُسے اس لاکٹ پر ڈمبالا دیوتا کی شبیہہ نظر آئی۔ اُس نے دہشت زدہ ہو کر پوری قوت سے پنکی کو دھکا دیا اور اُس کی نظروں کے سامنے سے ڈمبالا دیوتا کی شبیہہ ہٹ گئی۔ اسی لمحے ریکس کو پنکی کی دہشت ناک چیخ سنائی دی جو بتدریج دُور ہوتی جا رہی تھی۔ ایک دم وہ ہوش میں آ گیا۔ اُس نے بالکونی میں خود کو تنہا کھڑے پایا۔ دہشت سے اُس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ وہ لپک کر بالکونی کی ریلنگ تک آیا۔ نیچے بہت دُور پنکی نکتے کی صورت میں پختہ روش پر پڑی تھی۔ پھر اُس نے کچھ اور نکتوں کو اس ساکت نکتے کے گرد متحرک دیکھا۔ صدمے نے اُس کے حواس معطل کر دیئے۔ پنکی اُس کے دھکے سے سنبھل نہیں سکی تھی اور بالکونی سے نیچے...... بارہ منزل نیچے گر گئی تھی۔ ریکس ریلنگ پر قدرے جھک کر آنکھیں پھاڑے نیچے دیکھ رہا تھا۔ دفعتہً اُسے چکر سا آیا اور وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکا۔ وہ خطرناک انداز میں ریلنگ پر جھکا ہوا تھا۔ چکر آتے ہی وہ اُلٹ کر بالکونی سے فضا میں آ گیا اور بڑی تیزی سے سر کے بل نیچے جانے لگا۔

نیچے، جہاں پنکی پڑی ہوئی تھی۔ اب اُسے ڈمبالا دیوتا کے عذاب سے نجات ملنے والی تھی......!

ریکس نے سر جھٹک کر آنکھیں کھول دیں۔ اُس نے خود کو ریل گاڑی کے ڈبے میں موجود پایا۔ اُسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ کسی بہت طویل اور خوفناک سفر سے واپس آیا ہے۔ تاہم دوسروں کے لئے وہ اسی ڈبے میں موجود رہا تھا۔ صرف اُس کی آنکھیں کھوئی کھوئی سی لگ رہی تھیں جیسے وہ جسمانی طور پر تو ان کے درمیان موجود ہو لیکن ذہنی طور پر وہ کہیں اور، کسی انجانی دنیا میں پہنچا ہوا ہو۔

”یہ سب...... یہ سب کیا تھا ڈاکٹر؟“ ریکس نے ہکلاتے ہوئے سوال کیا۔

”یہ تمہارا مستقبل تھا نوجوان۔“ ڈاکٹر شیرک نے ملائمت سے پوچھا۔ ”تمہیں مستقبل میں جھانکنے کا موقع مل گیا ہے۔ تم وہ سب کچھ جان گئے ہو جو آئندہ کی زندگی

میں تمہارے ساتھ پیش آنے والا ہے۔''

''تت......تو کیا یہ سب کچھ واقعی میرے ساتھ پیش آئے گا؟''

''ہاں۔ تاش کے یہ پتے صدفی صد وہی عکس پیش کرتے ہیں جو ہماری تقدیر میں لکھا جاچکا ہے اور ان واقعات کو لازماً وقوع پذیر ہونا ہے۔'' ڈاکٹر شیرک نے جواب دیا۔

''میں اس عذاب سے کیسے نجات پاسکتا ہوں؟'' ریکس نے پوچھا۔

ایڈی مارش سوچنے لگا کہ اس شعبدہ باز اور جھوٹے نجومی کو بے نقاب کر ہی دوں تو اچھا ہے۔

ڈاکٹر شیرک نے پانچواں پتا اٹھا کر اسے خود ہی دیکھا اور تاسف سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے اسے دوبارہ باقی پتوں میں ملا دینا چاہا۔ مگر ایڈی مارش نے تیزی سے جھپٹ کر وہ پتا اس سے چھین لیا اور اُسے سب کے سامنے سیدھا کر دیا۔ اس پتے پر ایک بدروح نظر آ رہی تھی جو ہاتھ میں درانتی نما کوئی چیز پکڑے ایک ایسی فصل کاٹ رہی تھی جس پر انسانی سروں سے مشابہہ روئیدگی نمایاں تھی۔ ڈاکٹر شیرک نے اسی متاسفانہ لہجے میں کہا۔ ''یہ تیرہواں پتا ہے اور اس کا مطلب ہے موت!''

''کیا اس سے پہلے بھی پانچویں پتے کے طور پر یہی آتا رہا ہے؟'' رونالڈ نے پوچھا۔

''ہاں۔ مجھے افسوس ہے کہ آپ سب کا آخری پتا یہی تیرہواں پتا تھا جس پر موت کے ہرکارے کی تصویر ہے۔ یعنی آپ لوگوں کے لئے ہولناک مستقبل سے بچنے کا کوئی راستہ نہیں۔ صرف یہی واحد طریقہ ہے......موت۔'' یہ کہہ کر ڈاکٹر شیرک نے نظریں جھکا دیں۔

''بکواس۔ بالکل بکواس۔'' ایڈی مارش نے کہا۔ ''تاش کے پتے انسانی زندگی پر



حاوی نہیں ہو سکتے۔''

ڈاکٹر شیرک نے اُسے تیز نظروں سے گھور کر کہا۔ ''تو پھر تم اس کھیل میں حصہ کیوں نہیں لے رہے۔ اگر تم ان پتوں کو محض بکواس سمجھ رہے ہو تو ان سے اتنے خوفزدہ کیوں ہو؟''

''اونہہ، خوفزدہ۔'' ایڈی مارش نے حقارت سے کہا۔ پھر اُسے محسوس ہوا کہ سب لوگ اُسے ایسی نظروں سے دیکھ رہے ہیں جیسے اس کی بزدلی مسلمہ ہو اور وہ واقعی ان پتوں سے خوفزدہ ہے۔ ایڈی مارش جیسے سرکش، منہ پھٹ اور مشتعل مزاج آدمی کے لئے یہ بات ناقابل برداشت تھی۔ اس نے کہا۔ ''اچھا، اگر ایسی بات ہے تو لاؤ۔ میں تیار ہوں۔''

''آہا...... یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔'' ڈاکٹر شیرک نے کہا اور تاش پھینٹ کر آگے بڑھا دیئے۔

پہلے پتے پر ایک بادشاہ کی تصویر تھی جو تاج پہنے بڑی تمکنت سے تخت پر بیٹھا تھا۔ دوسرے پر ایک پادری کی تصویر تھی جو لوگوں کے ہجوم میں کھڑا چیخ چیخ کر کچھ کہہ رہا تھا۔ اس کے گلے میں پڑی سنہری صلیب سے روشنی کی کرنیں پھوٹ رہی تھیں۔ تیسرے پر ایک رتھ کی تصویر تھی جسے کئی گھوڑے کھینچ رہے تھے اور رتھ پر بیٹھے دو افراد کے چہرے بندروں سے مشابہہ تھے۔ تیسرے پتے پر ایک ترازو نظر آ رہا تھا۔ انصاف کی علامت، لیکن ایڈی مارش کو غور سے دیکھنے پر معلوم ہوا کہ اس ترازو کی ایک زنجیر ٹوٹی ہوئی تھی لیکن دونوں پلڑے برابر تھے۔

''اب دیکھتا ہوں ان بے ربط پتوں کے ذریعے کسی کہانی کا تانا بانا کیسے بُنا جا سکتا ہے۔'' ایڈی مارش نے سوچا۔ یہی سوچتے سوچتے اُس کا ذہن دُھندلانے لگا۔ اُس نے ذہن پر چھاتی دُھند سے چھٹکارا پانے کی بہت کوشش کی لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو

سکا۔ اس نے تاش کے اس پتے سے نظریں ہٹانا چاہیں لیکن یہ بھی اس کے لئے ممکن نہیں رہا۔



ایڈی مارش مصوری کے فن پر ایک تسلیم شدہ نقاد اور ایک بڑے اخبار کا مستقل کالم نگار تھا۔ اُس کا مطالعہ وسیع اور تنقید بڑی سفاکانہ حد تک سچی ہوتی تھی۔ بعض فنکار اسے پسند کرتے تھے لیکن زیادہ تر حلقوں میں اسے سخت ناپسند کیا جاتا تھا۔ تاہم اس کے مداحین اور مخالفین، سبھی اس سے خائف رہتے تھے کہ معلوم نہیں کب وہ اپنے کالم میں ان کو بھی نشانہ بنا دے اور ان کے تخلیقی فن پاروں کے بخیے ادھیڑ کر رکھ دے۔

ویسے بھی وہ نفسیاتی طور پر تمام مصوروں سے اپنے دل میں خدا واسطے کا بیر رکھتا تھا۔ کسی زمانے میں اُسے بھی مصور بننے کا بہت شوق تھا لیکن اس میدان میں اس کی پذیرائی نہ ہو سکی تو اپنی ناکامی سے دلبرداشتہ ہو کر اس نے کینوس و برش کو خیر باد کہہ کر قلم تھام لیا۔ وہ خود چاہے کیسا بھی گھٹیا مصور نہ رہا ہو، بحیثیت نقاد اس کا اعتقاد تھا کہ محض چند رنگوں کو کینوس پر بکھیر دینا بہرحال مصوری نہیں۔ ایسے لوگوں کو وہ سرے سے مصور ہی نہیں مانتا تھا۔ اس نے اپنے تئیں یہ عزم کر رکھا تھا کہ وہ اپنے قلم کے ذریعے آرٹ کی دنیا میں انقلاب لا کر دم لے گا۔ اس کا خیال تھا کہ ان نام نہاد مصوروں کو آرٹ کی دنیا سے نکال باہر کیا جائے جو فن آرٹ کی ابجد سے بھی واقف نہیں تھے اور اپنی نالائقی کو تجرید کا نام دے کر لوگوں کو بے وقوف بناتے تھے۔

وہ اپنے کالموں میں اپنے مخالفین کے خلاف خوب دل کھول کر لکھتا تھا۔ اپنی خود پسندی اور انا پرستی کے باعث اُس کی نظر میں کوئی لڑکی جچتی ہی نہیں تھی۔ چنانچہ ابھی تک غیر شادی شدہ تھا۔ اس کا زیادہ تر وقت کالموں کے ذریعے فن مصوری کی تنقید پر ہی صرف ہوتا تھا۔ چند مصور اُس کی برتری تسلیم کرنے پر تیار نہیں تھے اور تقریباً میں ایڈی



مارش کے خلاف دل کھول کر اپنی نفرت کا اظہار کرتے تھے۔ ان میں سے ایک نیلسن فریڈ تھا۔

فریڈ کی عمر تقریباً پینتالیس برس تھی۔ وہ تجریدی تصویریں بنایا کرتا تھا۔ اس کی بے سروپا تصویروں کا عموماً مذاق ہی اڑایا جاتا تھا لیکن وہ اپنے آپ کو بہت بڑا آرٹسٹ سمجھنے کی خوش فہمی میں مبتلا تھا۔ اس پر سب سے کڑی تنقید ایڈی مارش نے ہی کی تھی۔ فریڈ کی تلخ و تند باتوں کا ہدف بھی ایڈی مارش ہی تھا۔ ملنے جلنے والوں کے درمیان وہ خوب دل کی بھڑاس نکالتا اور ایڈی مارش کو برا بھلا کہتا۔ ایڈی مارش اس بات سے آگاہ تھا اور اس کے ردعمل میں وہ اب فریڈ کی تصویروں پر پہلے سے زیادہ بے رحمی سے تنقید کرنے لگا۔

اُس شام بھی وہ فریڈ کی تصویروں کی نمائش میں گیا تھا۔ ہمیشہ کی طرح اس روز بھی اُسے فریڈ کی تصویروں میں سوائے بے ڈھنگے پن سے رنگوں کے پھیلاؤ کے کچھ بھی فن مصوری کی جھلک نظر نہ آئی۔ نمائش کے خلاف تماشائیوں میں سے ایک نوجوان نے ایڈی مارش کو اُس کی اخبار میں چھپنے والی تصویر سے پہچان لیا اور اس کے قریب آ کر فریڈ کے فن کے بارے میں گفتگو کرنے لگا۔ ایڈی مارش تو ایسے موقعوں کی تلاش میں رہتا تھا۔ اس نے زور و شور سے فریڈ کی تصاویر کی بے کیفی، لامعنویت اور لغویت پر لیکچر دینا شروع کر دیا۔

''ذرا ملاحظہ فرمایئے!'' اُس نے فریڈ کی ایک پینٹنگ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''آج کے عظیم مصور کی یہ پینٹنگ کتنی واہیات ہے۔ اس تصویر میں سوائے مصور کے ذہنی انتشار کے کچھ نظر نہیں آتا۔'' اُس کے تنقیدی جملوں کی کاٹ اتنی شدید تھی کہ وہاں موجود لوگ اُس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ایڈی مارش اس پر مزید خوش ہوا اور تیز ہو گیا۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ فریڈ وہاں سے کافی دور کھڑا اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے فریڈ کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ اس نے فریڈ کو جلانے کی غرض سے اس کے

قریب آتے ہی بظاہر اس کی موجودگی سے بے خبر رہتے ہوئے لوگوں سے کہنا شروع کیا۔

''ذرا غور فرمائیے۔ مصور کی یہ تصویر ظاہر کرتی ہے کہ وہ ابھی تک جھک ہی مارتا آیا ہے۔ ذرا رنگوں کا امتزاج ملاحظہ فرمائیے...... اس طرح تو کوئی بچہ بھی کینوس پر رنگ پھینک سکتا ہے......''

''تم میری تصویروں پر ہمیشہ ہی تنقید کرتے رہتے ہو مسٹر نقاد!'' فریڈ اُس کے قریب آ کر بولا۔ ''لگتا ہے تمہیں میری تصویریں بالکل پسند نہیں۔''

''اوہ......!'' ایڈی مارش نے چونکنے کی اداکاری کی اور بولا۔ ''تو آپ یہاں بہ نفس نفیس موجود ہیں۔ زہے نصیب! یہ تم نے ٹھیک کہا، مجھے آج تک تمہاری کوئی تصویر پسند نہیں آئی مسٹر فریڈ! فنی نقطۂ نظر سے بھی اور......''

''پھر تم باقاعدگی سے میری تصاویر کی نمائشوں میں آتے ہی کیوں ہو؟'' فریڈ نے جلدی سے اس کی بات کاٹ کر قدرے خفگی سے کہا۔

''میرا اخبار اسی بات کا تو مجھے معاوضہ ادا کرتا ہے۔ اپنے فرض کے ہاتھوں مجبور ہو کر ہی تو مجھے ہر گھٹیا سے گھٹیا مصور کی نمائش میں بھی جانا پڑتا ہے۔'' ایڈی مارش نے جلے کٹے لہجے میں کہا۔ ''تمہارا کیا خیال ہے میں اپنی خوشی سے یہ واہیات اور لغو چیزیں دیکھنے آتا ہوں؟''

''لیکن میں تمہیں غیر جانبدار اور انصاف پسند نقاد ہی نہیں مانتا۔'' فریڈ نے فوراً اُس سے بدلہ لیا اور پُرسکون لہجے میں بولا۔ ''تم اچھے سے اچھے مصور کی تذلیل کر کے اور اس کی بہترین تصاویر کو تنقید کا نشانہ بنا کر محض اپنی انا کی تسکین کرتے ہو۔''

ایک لمحے کے لئے ایڈی مارش کے جسم میں تناؤ سا پیدا ہو گیا۔ اب تیسرے درجے کا مصور بھی اس پر جوابی حملے کرنے لگا تھا۔ ''تم کچھ بھی سمجھتے رہو میرے لئے کوئی فرق



نہیں پڑتا۔ میں آرٹ کے تمام حلقوں میں تسلیم شدہ اور مستند نقاد سمجھا جاتا ہوں۔'' ایڈی مارش نے جوش کو دباتے ہوئے قدرے متانت سے کہا۔

''اگر یہ درست تسلیم کر بھی لیا جائے۔'' فریڈ نے کہا۔ ''تب بھی تمہیں سوائے تنقید کے آتا ہی کیا ہے؟ بجائے خامیاں نکالنے کے مجھے کوئی ایسی نصیحت کیوں نہیں کرتے جس پر عمل کر کے میں اپنی خامیوں پر قابو پا کر اچھی تصویریں بنانے لگوں۔''

ایڈی مارش نے پُراعتماد نظروں سے اپنے اِردگرد کھڑے لوگوں کو دیکھا اور بڑے ملائم لہجے میں بولا۔ ''تم فن مصوری کی جان چھوڑ دو اور کسی اور میدان میں طبع آزمائی کرو۔ تمہارے لئے میری بہترین نصیحت یہی ہے۔''

''لیکن اس سے پہلے تمہیں یہ ثابت کرنا ہو گا کہ میں فن مصوری میں بالکل نا اہل ہوں۔'' فریڈ نے اُس کی چوٹ کو بمشکل برداشت کر کے بڑے تحمل سے کہا۔

ایڈی مارش نے اطمینان کی سانس لی۔ وہ فریڈ کو اسی مقام پر تو لانا چاہتا تھا۔ اس نے کہا۔ ''اچھی بات ہے۔ میں اس تصویر کے حوالے سے تمہارے نام نہاد فن پر بات کرتا ہوں۔'' اس نے قریب لگی تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ بڑی تعداد میں تماشائی ان کے گرد جمع ہو کر بڑی دلچسپی سے ان کی گفتگو سن رہے تھے۔

''تم نے اس تصویر کا عنوان ''آسمان کا سایہ'' رکھا ہے...... یہ عنوان ہی بے معنی ہے اور یہ تصویر بغیر کسی مہارت اور فنی حسن کے بنائی گئی ہے۔ بس بھونڈے انداز میں رنگوں کو کینوس پر بکھیر دیا گیا ہے۔ عوام کی سمجھ سے بالاتر اور خواص بھی اسے دیکھ کر حیرت کرتے ہوں گے کہ آخر یہ ہے کیا چیز؟''

''یہ تو تم اپنی نالائقی کا اعتراف کر رہے ہو ایڈی مارش! ورنہ یہ تصویر آرٹ کے ایک قدر دان کو ایسی پسند آئی ہے کہ اس نے آج دوپہر اسے خرید لیا ہے۔''

''افسوس...... صد افسوس! تم سے بحث کا کوئی فائدہ نہیں۔'' ایڈی مارش نے

متاسفانہ لہجے میں کہا۔ ”میں سمجھ رہا تھا کہ میں تیسرے درجے کے ہی سہی ایک مصور سے بات کر رہا ہوں، دُکاندار سے نہیں۔“

”لیکن فن کے قدر دان بھی تو ہوتے ہیں جو اس فن کی باریکیوں کو سمجھتے بھی ہیں۔ میں صرف فنی کامیابی نہیں مالی منفعت بھی چاہتا ہوں اور ان دونوں کو الگ الگ نہیں کیا جاسکتا۔“

”درست! میں تمہارے اس جذبے کی قدر کرتا ہوں لیکن شہرت اور دولت کے لئے تمہیں فنی لوازمات پیش نظر رکھ کر سخت محنت کرنی چاہئے۔ آج کا مصور محنت اور ریاض کے بغیر دولت اور شہرت چاہتا ہے اور شارٹ کٹ کے طور پر تجریدی مصوری کا آغاز اسی خیال کے تحت ہوا ہے۔“

”تم چاہتے ہو قدامت پسندی سے ہی کام لیا جائے؟ دقیانوسی عہد میں بھٹکتے رہیں اور ہم نئے انداز کی تخلیق سامنے نہ لائیں؟“ فریڈ نے قدرے جارحانہ لہجے میں کہا۔

”کوئی فنکار اس قابل ہو تو اسے ضرور یہ کوشش کرنی چاہئے۔“ ایڈی مارش نے جواب دیا۔ ”لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ تمہارا ذہن تخلیقی ہرگز نہیں ہے...... چلو چھوڑو سب باتوں کو، تم نے یہ تصویر بنائی ہے اور تم خود ذرا ہمیں وضاحت سے بتاؤ تو سہی کہ یہ ہے کیا چیز؟“

”میں نے اس تصویر میں کسی خاص سمت میں اشارہ نہیں کیا۔“ فریڈ نے قدرے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”تجریدی تصویر تو دراصل لاشعوری کیفیت کے تحت بنائی جاتی ہے۔ ہر تماشائی اس سے مختلف مطلب اخذ کرتا ہے۔ جس شخص کو اس میں مقصدیت نظر نہیں آتی، اس کے سر میں مغز نام کی کوئی چیز ہی نہیں ہوتی۔“

”لیکن میں ایک ماہر فن نقاد ہوں مسٹر فریڈ!“ ایڈی مارش نے قدرے رعونت سے کہا۔ ”میرے پاس مغز بھی ہے اور فن کو سمجھنے کی اہلیت بھی۔ اس کے باوجود میں



تمہارے اس ملغوبے کو سمجھ نہیں پایا۔“

”مسٹر ایڈی مارش!“ دفعتہً ایک سریلی آواز نے اُسے اپنی جانب متوجہ کیا۔ اُس نے مڑ کر دیکھا۔ نمائش کی منتظم لڑکی اُس سے مخاطب تھی۔ ”ہمارے پاس ایک نوجوان آرٹسٹ کی ایک پینٹنگ آئی ہے۔ وہ اسے بھی نمائش میں رکھوانا چاہتا ہے۔ کیا آپ اس بارے میں ہماری رہنمائی کریں گے؟“

ایڈی مارش نے پہلے تو انکار کرنا چاہا کیونکہ وہ نئے لوگوں کو آگے بڑھنے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا لیکن اچانک اُسے شرارت سوجھی اور کسی خیال کے تحت اُس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ وہ اس بات سے بے خبر تھا کہ اس کی شرارت آگے چل کر اس کے لئے کیا گل کھلائے گی۔



اس نے فریڈ کو زک پہنچانے کا ایک اور طریقہ سوچا۔ اگر اس نوجوان کی پینٹنگ کچھ بہتر ہوئی تو وہ فریڈ کی پینٹنگ سے اس کا موازنہ کر کے اسے نیچا دکھائے گا۔ فریڈ کا چہرہ پہلے ہی پسینہ پسینہ ہو رہا تھا۔ ایڈی مارش کے ہاتھوں تماشائیوں کے سامنے اس کی خاصی گت بن چکی تھی۔

ایڈی مارش نے منتظم لڑکی کو اس نوجوان آرٹسٹ کی پینٹنگ وہیں لانے کو کہا اور چند لمحوں کے بعد لڑکی وہ تصویر لے آئی اور اسے بھی فریڈ کی تصویروں کے سامنے آویزاں کر دیا۔ تماشائی اس نئی تصویر کو نئی دلچسپی اور ذوق و شوق سے دیکھنے لگے۔ ایڈی مارش نے بھی مختلف پہلوؤں سے اس کا جائزہ لیا۔ یہ تصویر بظاہر بالکل بے ربط اور اس کے رنگ بے ترتیب تھے۔ اس نے دل ہی دل میں اس نئے فنکار کو گالی دی۔ وہ تصویر تجریدی آرٹ کا گھٹیا ترین نمونہ تھی لیکن اُسے تو فریڈ کی تذلیل کرنی تھی اور وہ ایک نقاد بھی تھا، اس کے لئے کیا مشکل تھا کہ وہ اس بے معنی تصویر میں سے بھی مطلب نکال لے۔ خاص طور پر جب اس بہانے وہ فریڈ کو ہدفِ تنقید بنانا چاہتا ہو۔

اس نے چند لمحے ڈرامائی خاموشی کے بعد کہا۔ ''خوب...... بہت خوب! رنگوں کا امتزاج بہت خوبصورت ہے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ تجریدی مصوری میں ذہین آرٹسٹ بالکل ہی عنقا نہیں ہیں۔ مصور اس تصویر کو بناتے وقت بھی بعض بنیادی اصولوں کو نظر انداز کر گیا ہے لیکن اس کے باوجود یہ تصویر فریڈ کی تمام تصویروں سے کہیں بلند اور اعلیٰ



مقام کی حامل ہے۔'' وہ فریڈ کی طرف مڑ کر بولا۔ ''میرا مخلصانہ مشورہ ہے کہ تم اس مصور کی شاگردی اختیار کر لو تاکہ تم بھی فنِ مصوری کی باریکیوں کو جان سکو۔''

''مجھے تو یہ تصویر کچھ نامکمل اور غیر واضح سی نظر آتی ہے۔'' فریڈ نے پُرسکون لہجے میں کہا۔ شاید وہ دل ہی دل میں فیصلہ کر چکا تھا کہ اس کی بہتری اسی میں ہے کہ وہ ایڈی مارش کی باتوں کا برا نہ منائے۔

''یہی تو تمہاری سمجھ میں نہیں آتا۔'' ایڈی مارش نے قدرے پُرجوش لہجے میں کہا۔ ''اچھے فنکار کا یہی تو کمال ہے کہ وہ تصویر کے ذریعے ہمیں اپنے ادھورے پن کا احساس دلا دے......اور......'' ایڈی مارش نے لمحہ بھر ڈرامائی خاموشی اختیار کی پھر بولا۔ ''وہ اس میں کامیاب رہا ہے۔ اس نے اپنے اندر کا عکس مکمل طور پر کینوس پر منتقل کر دیا ہے۔ اس نے یہ تصویر مبہم یا ادھوری نہیں بنائی کہ جو شخص چاہے اپنی سوچ کے مطابق اس سے مطلب اخذ کرے۔ یہ مصور زندگی کے قریب ترین عکس کو بڑی فنکاری سے ہم تک پہنچانے میں کامیاب رہا ہے۔''

''افسوس کہ میں مسٹر ایڈی مارش کے مشورے کے مطابق اس مصور کا شاگرد نہیں بن سکتا۔'' فریڈ نے کہا۔ پھر وہ منتظم لڑکی کی طرف مڑ کر بولا۔ ''کیوں مس، کیا یہ ممکن ہے؟''

''کیوں نہیں مسٹر فریڈ!'' لڑکی نے پراسرار انداز میں کہا۔ ''یہ عظیم فنکار، جس کی تصویر کو آج کے معروف نقاد جناب ایڈی مارش نے خراجِ تحسین پیش کیا ہے، اس وقت یہاں اس گیلری میں موجود ہے۔ میں اسے یہاں بلاتی ہوں۔''

ایڈی مارش کو لڑکی کی پراسرار مسکراہٹ اور اندازِ گفتگو سے کسی گڑبڑ کا احساس ہوا۔ اسے محسوس ہوا کہ فریڈ اور منتظم لڑکی مل کر اسے کسی قسم کا چکر دے رہے ہیں لیکن اب وہ سوائے خاموش رہنے کے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ چند لمحوں بعد وہ لڑکی واپس لوٹی تو ایک پانچ سالہ بچے نے اُس کی اُنگلی تھام رکھی تھی۔

"لیجئے جناب! یہ ہے وہ عظیم فنکار۔" اس نے قریب آ کر نہایت استہزائیہ انداز میں مسکرا کر کہا۔

وہ تمام لوگ جو تھوڑی دیر پہلے فریڈ کی مخالفت میں ایڈی مارش کی تنقید سن کر اس کی فنی اہلیت کو دل ہی دل میں سراہ رہے تھے، بے اختیار ہنس دیئے اور طنزیہ انداز میں اسے دیکھنے لگے۔

"مم...... میں......" ایڈی مارش نے کچھ کہنا چاہا لیکن محض ہکلا کر رہ گیا۔ اب تماشائی اس کی اس کیفیت سے محظوظ ہو کر قہقہے لگانے لگے۔

"اونہہ، ماہرفن اور تسلیم شدہ نقاد......!" تماشائیوں میں سے کسی نے حقارت سے کہا۔

ایڈی مارش نے کھنکار کر گلا صاف کیا اور اپنی صفائی میں کچھ کہنا چاہا لیکن اُس کی آواز اس بے ہنگم شور وغل میں دب کر رہ گئی۔ کوئی اس کی بات سننے کو تیار نہ تھا۔ اس نے نفرت سے فریڈ کی طرف دیکھا۔ وہ بڑے پُرسکون انداز میں کھڑا اسے دلچسپ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ یہ ڈرامہ یقیناً اسی کی ہدایت پر رچایا گیا تھا۔ اس نے شدید اہانت محسوس کی اور ایک جھٹکے سے مڑ کر تیز تیز قدم اٹھاتا بیرونی دروازے کی طرف بڑھا۔

"اب آئندہ یہ فن مصوری پر تبصرے کرنا بھول جائے گا۔" تماشائیوں کے مجمع میں سے کسی نے کہا اور لوگوں کے استہزائی قہقہوں نے دُور تک اس کا تعاقب کیا۔ اُس کی بے انتہا سبکی ہوئی تھی۔ وہ غصے سے کھولتا ہوا دل ہی دل میں پیچ و تاب کھاتا باہر نکلا۔ گاڑی اسٹارٹ کرتے وقت وہ اپنے آپ سے عہد کر چکا تھا کہ وہ فریڈ کو کبھی معاف نہیں کرے گا۔ وہ اپنی ذلت کا بدلہ اس سے ضرور لے گا۔





ایڈی مارش کو تازہ تنقیدی مضمون لکھنے کے لئے کئی راتوں تک خود سے ذہنی جنگ لڑنی پڑی۔ وہ کچھ دنوں تک عجیب کشمکش اور تذبذب کا شکار رہا۔ اُس کی دلی خواہش تھی کہ وہ اس نمائش کے بخیے ادھیڑ کر رکھ دے۔ وہ بمشکل خود کو اس سے باز رکھ سکا اور اس بات سے خوفزدہ تھا کہ ایسا کرنے سے کوئی شخص اس روز کے ڈرامے کا بھانڈا نہ پھوڑ دے۔ پھر اس پر یہ الزام عائد ہو جائے کہ اس نے ذاتی رنجش کی بناء پر فریڈ کی تصویروں کی نمائش کے خلاف کالم لکھا ہے۔

پہلے تو اسے یہ خیال آیا کہ اس نمائش کو یکسر نظر انداز کر دے۔ اس کے متعلق کچھ نہ لکھے لیکن اُسے یہ خدشہ بھی دامن گیر تھا کہ اس طرح اس کے بارے میں عجیب خیال آرائی کی جائے گی اور محض شکوک وشبہات کو تقویت ملے گی۔ چنانچہ کئی رت جگوں اور گہری سوچ بچار کے بعد ایڈی مارش نے درمیانی راہ اختیار کی۔ اس نے اپنے کالم میں سرسری طور پر اس نمائش کا ذکر کیا اور لکھا کہ فلاں گیلری میں فریڈ کی تصاویر کی نمائش جاری ہے۔ اس نے چند تصاویر پر تبصرہ بھی کر دیا لیکن نہایت ہی سرسری سے انداز میں، گویا اس کے نزدیک فریڈ یا ان کی تصاویر کی کوئی اہمیت نہ ہو۔ البتہ اُس نے تنقید سے گریز کیا۔

کالم چھپنے کے بعد چند دنوں تک اُس نے یہ محسوس کیا کہ لوگ اُسے دیکھ کر مسکرا دیتے ہیں۔ ایک تقریب میں بھی اُسے خفت اٹھانی پڑی۔ وہ سوچنے لگا کہ خاصی تعداد میں لوگ اس ڈرامے سے آگاہ ہو چکے ہیں۔ یہ سوچ کر اُسے شدید گھبراہٹ ہونے لگی۔ لیکن دن گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ خود کو یہ یقین دلاتا رہا کہ یہ محض اس کی وہم کی کارستانی ہے۔ اس سلسلے میں کوئی اس سے براہ راست تو بات نہیں کرتا تھا۔ چنانچہ اس کا اعتماد بحال ہونے لگا۔



تجریدی تصاویر کی سالانہ نمائش پر اُسے خصوصی طور پر مدعو کیا گیا۔نظریاتی طور پر وہ تجریدی آرٹ کے سخت مخالف تھا۔ وہ ہر سال اس نمائش میں اس لئے بھی شریک ہونا پسند نہیں کرتا تھا کہ وہاں کھل کر اپنے خیالات ونظریات کا اظہار کر سکے۔ وہ حسب معمول نمائش کے شرکاء کو اپنی طرف متوجہ کر کے بڑے جوش وخروش سے اظہار خیال کر رہا تھا کہ دفعتہً اُس کی نظر فریڈ پر جا پڑی جو اُس سے کچھ فاصلے پر ستون سے ٹیک لگائے بڑے طنزیہ انداز میں اس کی طرف دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔

فریڈ پر نظر پڑتے ہی ایڈی مارش کی زبان لڑکھڑا گئی۔ اُس کا تمام جوش وخروش ماند پڑ گیا۔ بصد کوشش وہ مزید ایک لفظ نہ بول سکا اور لوگوں سے معذرت کر کے وہاں سے رخصت ہو گیا۔ فریڈ کسی آسیب کی طرح اُس کے اعصاب پر سوار ہو گیا۔ وہ شہر کی کسی بھی نمائش میں شریک ہوتا، فریڈ کو وہ پہلے وہاں موجود پاتا۔ تاہم فریڈ نے کبھی اُس سے بات کرنے کی کوشش نہیں کی لیکن ایڈی مارش اُسے دیکھتے ہی حواس باختہ ہو جاتا۔ اسے ہمیشہ یہ دھڑکا لگا رہتا کہ یہ خبیث نہ جانے کب اور کس موقع پر زبان کھول دے اور اس کی بنی بنائی عزت خاک میں ملا دے۔

شہر میں منعقد ہونے والی نمائشوں کی نگراں، سب سے بڑی آرٹس کونسل نے اپنی سالانہ تقریب کے موقع پر ایڈی مارش کو مہمان خصوصی کے طور پر مدعو کیا۔ یہ سالانہ تقریب بے حد اہمیت کی حامل تھی۔ اس میں شرکت کے لئے لوگ مدتوں پہلے دعوت نامے حاصل کرنے کے لئے سفارشیں استعمال کرتے تھے۔ اس تقریب میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے شریک ہونا ایڈی مارش کے لئے یقیناً ایک بہت بڑا اعزاز تھا۔ اس نے کئی دن پہلے ہی اپنی تقریر لکھنی شروع کر دی تھی۔

تقریب بڑی کامیاب رہی۔ آرٹ اور فن تجرید پر کئی لوگوں نے اظہار خیال کیا اور آخر میں اسٹیج سیکرٹری نے مہمان خصوصی کو اسٹیج پر آنے کی دعوت دی اور اُسے مائیک تھما



دیا۔ ایڈی مارش نے بڑے اعتماد اور سکون سے ابتدائی کلمات کہے۔ حاضرین نے پُر جوش تالیوں سے اس کا خیر مقدم کیا۔

ابتدائی کلمات کے بعد اس نے فن خطابت کے جوہر دکھانے شروع کئے۔ ”میرے نظریات کے مطابق تجریدی رجحانات کو جدید آرٹ کا نام دے کر فن مصوری کو شدید اور ناقابل تلافی نقصان پہنچایا جا رہا ہے۔ آج ہر شخص رنگ اور برش کے ذریعے کینوس پر محض رنگ پھیلا کر خود کو مصور منوانے پر تلا ہوا ہے۔ آپ لوگ اس بات سے بخوبی واقف ہوں کہ کہ......کہ......“

دفعتہً اُس کی نظر فریڈ پر جا پڑی۔ یکلخت اُس کا اعتماد رخصت ہو گیا۔ الفاظ اُس کے ذہن میں گڈمڈ ہو کر رہ گئے۔ اُس نے تھوک نگل کر خشک ہوتے حلق کو تر کیا اور مزید بولنے کی کوشش کی لیکن زبان محض لڑکھڑا کر رہ گئی۔ اُسے احساس ہونے لگا کہ حاضرین محفل اُس کی خاموشی سے پہلو بدلنے لگے ہیں۔ ایڈی مارش کے پاؤں لرزنے لگے۔ اُس کی نگاہیں فریڈ پر جم کر رہ گئیں۔ اُس نے نظریں وہاں سے ہٹانا چاہیں لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے فریڈ کوئی انسان نہیں، بھیانک عفریت ہے جو اس کے اعصاب پر سوار ہو گیا ہے۔ اُس کی نظریں دُھندلانے لگیں۔ اُسے اپنے سامنے ہر شے گھومتی محسوس ہوئی اور وہ لہرا کر زمین پر جا گرا۔



اب فریڈ کا وجود اُس کے لئے ناقابل برداشت ہو چکا تھا۔ تقریب سے واپسی پر ایک دوست کا سہارا لے کر جب وہ گھر پہنچا تو دل ہی دل میں اُس نے فیصلہ کر لیا۔ ’اگر اسے زندہ رہنا ہے تو فریڈ کا خاتمہ ضروری ہے۔‘ وہ بڑی دیر تک بے چینی سے بستر پر کروٹیں بدلتا رہا۔ اس رات اسے نیند کے لئے خواب آور گولیوں کا سہارا لینا پڑا۔

صبح بیدار ہونے کے بعد بستر پر لیٹے لیٹے اُس نے فریڈ کو قتل کرنے کا پلان مرتب کر

لیا۔ وہ کافی دیر تک اس سلسلے میں سوچتا رہا۔ فریڈ کو راستے سے ہٹانا ضروری تھا۔ اس نے سوچا کہ اس مسئلے کا صرف یہی ایک حل ہے۔ ورنہ دوسری صورت میں وہ یقیناً پاگل ہو جائے گا۔ اس نے اپنے اس منصوبے کی تمام جزئیات کو تفصیل سے ذہن میں دہرایا۔ بالکل اس طرح جیسے وہ تنقیدی مضمون یا کالم لکھنے سے پہلے اس کا اپنے ذہن میں خاکہ بنالیا کرتا تھا۔



فریڈ کا انتظار کرتے اُسے پندرہ منٹ گزر چکے تھے۔

وہ ایڈورڈ آرٹ گیلری کی بغلی سڑک پر اپنی کار میں بیٹھا اس کے باہر نکلنے کا منتظر تھا۔ اُس کی نظریں گیلری کے دروازے پر جمی تھیں جہاں سے عنقریب فریڈ کی آمد متوقع تھی۔ اس نے بے چینی سے ڈرائیونگ سیٹ پر پہلو بدلا اور گھڑی میں وقت دیکھا۔ اسے وہاں کھڑے اٹھارہ منٹ ہو چکے تھے۔ بالآخر انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں۔ ایڈی مارش نے اردگرد کا جائزہ لے کر اطمینان کی ایک گہری سانس لی۔ اس وقت سڑک پر دُور دُور تک کوئی موجود نہیں تھا۔ فریڈ آرٹ گیلری کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا تھا اور دھیرے دھیرے قدم اٹھاتا بس اسٹاپ کی طرف جانے لگا۔ ایڈی مارش نے کار اسٹارٹ کی اور دانت پیستے ہوئے تیزی سے گیئر بدل کر گاڑی آگے بڑھائی۔ اُس کے پاؤں کا دباؤ ایکسیلیٹر پر بڑھتا ہی چلا گیا۔ اُس کے جبڑے بھنچے ہوئے تھے اور چہرے پر سفاکانہ تاثرات نے اس کے نقوش کو قدرے بگاڑ کر رکھ دیا تھا۔

کار طوفانی رفتار سے آگے بڑھ رہی تھی۔ فریڈ اور گاڑی کے درمیان بڑی تیزی سے فاصلہ کم ہونے لگا۔ عین آخری لمحے میں فریڈ کو خطرے کا احساس ہوا لیکن اس وقت تک بہت دیر ہو چکی تھی۔ وہ ہوشیار ہو کر پلٹ ہی رہا تھا کہ ایڈی مارش کی کار پوری تیز رفتاری سے اس کے جسم سے آ ٹکرائی۔ وہ مکمل طور پر پلٹا بھی نہیں تھا کہ دائیں پہلو سے



کار نے اسے ٹکر مار کر فضا میں اچھال دیا تھا۔ وہ جب نیچے آیا تو کار کے بونٹ پر گرا۔ ایڈی مارش نے تیزی سے بریک لگائے وہ پھسل کر بونٹ سے سڑک پر گرا اور بری طرح تڑپنے لگا۔ ایڈی مارش نے تیزی سے گیئر بدلا، گاڑی بیک کی اور اُسے چالیس گز تک پیچھے لے گیا۔ پھر دوبارہ اُس نے پوری رفتار سے گاڑی آگے بڑھائی اور فریڈ کے تڑپتے جسم کو کچلتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

ایڈی مارش نے گھر پہنچتے ہی سب سے پہلے کار کی صفائی کی اور اس دانستہ حادثے کے ہر سراغ کو مٹا دیا۔ پھر اُس نے اپنے کمرے میں جا کر ایک جام تیار کیا اور صوفے پر بیٹھ کر ریڈیو آن کر دیا۔ شراب نے اُس کے اعصاب پر چھائی ہوئی کیفیت پر قابو پانے میں مدد دی اور وہ کافی دیر تک موسیقی سے دل بہلاتا رہا۔

اگلے روز وہ بستر سے اٹھا تو اُس نے خود کو بڑا ہشاش بشاش محسوس کیا۔ گزشتہ رات کے 'کارنامے' پر وہ بہت خوش تھا۔ لیکن اخبار اٹھاتے ہی اُس کی تمام خوشی اور بشاشت رخصت ہو گئی۔ اُسے انتہائی حیرت اور صدمے سے دوچار ہونا پڑا۔ فریڈ بڑا سخت جان ثابت ہوا تھا۔ اخبار کی خبر میں گزشتہ رات کے حادثے کے متعلق لکھا تھا کہ مشہور مصور فریڈ کسی تیز رفتار کار کی زد میں آ کر شدید زخمی ہو گیا ہے۔

ایڈی مارش کا وہ دن شدید کشمکش میں گزرا۔ خدشات زہریلے سانپ بن کر اُسے ڈراتے رہے لیکن یہ سوچ کر وہ خود کو تسلی دیتا رہا کہ فریڈ کم از کم اس کا نام کبھی نہیں لے گا۔ کیونکہ وہ اسے یا اس کی جانب دیکھ ہی نہیں پایا تھا۔ اس کو اتنی مہلت ہی کہاں ملی تھی۔ دوسرے دن کے اخبار میں بھی فریڈ کے متعلق خبر موجود تھی۔ اس میں بتایا گیا تھا کہ فریڈ کی حالت اب خطرے سے باہر ہے البتہ اُس کا دایاں ہاتھ کاٹ دیا گیا ہے۔ ایڈی مارش نے یہی سوچ کر دل کو تسلی دی کہ فریڈ کم از کم آئندہ تصویریں بنانے کے قابل تو نہیں رہا۔ اس طرح فریڈ سے کسی نمائش یا تقریب میں سامنا ہونے کی اُمید بھی

نہیں رہی تھی۔ اب فریڈ اس کے مستقبل کے عزائم کی راہ میں رُکاوٹ نہیں بن سکتا تھا۔



ایک چھوٹی سی ریاست کے سربراہ کے دیہی محل میں ایک ہفتہ گزار کر ایڈی مارش بہت خوش خوش اور مسرور لندن واپس آ رہا تھا۔ ریاست میں اُس کی خاطر مدارات کی گئی تھی۔ ریاست کے سربراہ مسٹر سیموئیل نے چند تصاویر کے بارے میں اُس سے رائے لینے کے لئے اسے مدعو کیا تھا۔ ایک ہفتہ دیہی اور پُرسکون ماحول میں گزار کر اب وہ خود کو بہت ہلکا پھلکا اور تر و تازہ محسوس کر رہا تھا۔ اب وہ واپس لندن کی ہنگامہ خیزیوں کی جانب جاتے ہوئے ان پُرسکون گھڑیوں کو یاد کر رہا تھا کہ یکایک اُس کے اعصاب تن گئے۔ اُسے اپنی عقبی سیٹ پر کسی تحریک کا احساس ہوا۔ وہ اسے محض اپنا وہم سمجھ کر نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ اُسے واضح طور پر احساس ہونے لگا تھا کہ اس چلتی کار میں اس کے علاوہ بھی کوئی موجود ہے۔

اُس نے ڈرائیونگ کرتے کرتے احتیاط سے گردن موڑ کر پیچھے دیکھا تو اُس کا دل اُچھل کر حلق میں آ گیا۔ اُسے اپنی سیٹ کی پشت پر کسی کا ہاتھ رکھا نظر آیا۔ یقیناً کوئی پچھلی سیٹ پر موجود تھا۔ اُس نے سوچا۔ 'کون ہوسکتا ہے؟ کوئی چور یا ڈاکو، جو اسے لوٹنا چاہتا ہے۔ لیکن وہ کار میں کیسے گھس آیا؟' اُس نے ایک جگہ پر سڑک سیدھی دیکھ کر دوبارہ پیچھے مُڑ کر دیکھا اور وہ بڑی مشکل سے کار کو قابو میں رکھ سکا۔ وہ ہاتھ، جس کی اُنگلیاں بڑے اضطراب کے عالم میں متحرک تھیں...... کسی انسانی جسم کا حصہ نہیں تھیں۔ وہ ایک کٹا ہوا ہاتھ تھا۔ ایڈی مارش نے شدید خوف اور گھبراہٹ کے عالم میں ایک دم بریک لگا کر کار روکی اور کھڑکی کا شیشہ نیچے کر کے بڑی ہمت اور جرأت سے کام لے کر اس ہاتھ کو دو انگلیوں سے پکڑ کر باہر پھینک دیا۔

اس احساس نے اُس کے رونگٹے کھڑے کر دیئے کہ اس بریدہ ہاتھ کی انگلیوں نے



اسے اپنی گرفت میں لینے کی کوشش کی تھی لیکن ایڈی مارش اُسے باہر پھینکنے میں کامیاب ہو گیا۔ پھر وہ انتہائی تیز رفتاری سے کار چلاتا ہوا گھر پہنچا۔ اُس کے اندر ہیجان برپا تھا۔ اُس کے لاشعور میں کوئی بات چبھ رہی تھی۔ اُس نے ریڈیو آن کر دیا۔ موسیقی کے مختصر پروگرام کے بعد ریڈیو پر خبریں نشر ہونے لگیں۔ تیسری خبر یہ تھی کہ مشہور مصور فریڈ نے خودکشی کر لی ہے۔ داہنا ہاتھ کٹ جانے کے باعث وہ فن مصوری سے اپنا ناتا ٹوٹنے کا صدمہ برداشت نہ کر سکا۔

ایڈی مارش کو اس خبر سے خوشی ہونی چاہئے تھی۔ لیکن کسی انجانے خوف نے اُس کی ریڑھ کی ہڈی میں سردی کی لہر سی دوڑا دی۔ اُسے اپنے جسم میں ٹھنڈی لہریں دوڑتی محسوس ہوئیں۔ اُس نے آتشدان میں لکڑیاں رکھ کر آگ جلا دی۔ عین اسی وقت کال بیل بجی۔ ایڈی مارش کو بے وقت کسی کی آمد بہت بری لگی۔ وہ اس وقت کسی سے ملنا نہیں چاہتا تھا۔ کال بیل دوبارہ بجی تو وہ راکھ کریدنے والی سلاخ آتشدان پر رکھ کر بڑبڑاتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔ لیکن جب اس نے دروازہ کھولا تو باہر کوئی بھی نہیں تھا۔ اس نے گردن نکال کر باہر نظریں دوڑائیں۔ برآمدہ ویران پڑا تھا۔ اُسے بڑی حیرت ہوئی۔ اُس نے دروازہ بند کر دیا۔ وہ واپس آتشدان کے قریب پہنچا ہی تھا کہ دفعتہً اُس کی نظر قالین پر پڑی۔ ایک کٹا ہوا ہاتھ اپنی چار انگلیوں اور ایک انگوٹھے پر کسی کنکھجورے کی طرح رینگتا ہوا اُسی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ ابھی ایڈی مارش سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ وہ ہاتھ اُس کی پتلون کا پائنچہ پکڑ کر اوپر چڑھنے کی کوشش کرنے لگا۔ اُس نے جھٹکا دے کر اسے ہٹانا چاہا لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہوسکا۔ بریدہ ہاتھ کی گرفت خاصی مضبوط تھی۔ اب وہ اس کے ناخن کی چبھن بھی محسوس کر رہا تھا۔ خوف و دہشت سے اُس کی گھگھی بندھ گئی۔ وہ ساکت و صامت کھڑا تھا۔ کٹا ہوا ہاتھ اب گھٹنے سے اوپر تک آ چکا تھا۔ یکایک وہ جھرجھری لے کر گویا کسی تنویمی نیند سے جاگ گیا۔ اُس

نے اس کٹے ہوئے ہاتھ کو دو اُنگلیوں سے پکڑا اور پوری قوت صرف کر کے آتشدان میں پھینک دیا۔

شعلے ایک دم تیز ہو گئے۔ لکڑیوں کے چٹخنے کی آوازیں اُبھریں اور چنگاریاں اُڑ کر آتش دان سے باہر تک آ کر قالین پر گریں۔ ایڈی مارش نے اپنے جوتے سے ان چنگاریوں کو بجھایا اور خوفزدہ نظروں سے اس ہاتھ کو جلتا ہوا دیکھتا رہا۔ اب وہ ہاتھ دھڑا دھڑ جل رہا تھا۔ دوسرے ہی لمحے اس کے حلق سے ایک گھٹی گھٹی سی چیخ برآمد ہوئی۔ اب وہ ہاتھ، جس سے شعلے بلند ہو رہے تھے آتشدان سے باہر آ رہا تھا۔ اسی طرح، انگلیوں اور انگوٹھے کی مدد سے رینگتا ہوا۔ وہ بدحواس ہو کر بیرونی دروازے کی طرف دوڑا اور درمیان میں پڑی ہوئی ٹیبل سے ٹکرا کر گر پڑا۔ اُس نے گردن موڑ کر پیچھے دیکھا۔ وہ ہاتھ اب قالین پر رینگتا ہوا اسی کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس سے شعلے بلند ہو رہے تھے جس سے قالین نے آگ پکڑ لی تھی۔ وہ دہشت زدہ ہو کر ہاتھ پیروں کی مدد سے کسی چوپائے کی طرح دروازے کی طرف بڑھا۔ کمرے میں دُھواں بھرنے لگا تھا۔ وہ دروازے کے قریب پہنچا اور تیزی سے اٹھ کر اس نے چٹخنی گرائی اور باہر کو دوڑا جیسے کمرے میں کئی بدروحیں گھس آئی ہوں اور وہ ان سے جان بچا کر بھاگ رہا ہو۔

وہ باہر نکل کر گلی میں پہنچا اور اس نے دیکھا کہ اس کے مکان کی کھڑکیوں سے دُھواں نکل رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اُس کا مکان مکمل طور پر شعلوں میں گھر گیا۔ جب تک فائر بریگیڈ کی گاڑیاں اور امدادی پارٹیاں پہنچیں، سب کچھ راکھ ہو چکا تھا۔



ایڈی مارش کی حالت دیوانوں کی سی ہو گئی۔ وہ سوچنے لگا کہ فریڈ نے مرنے کے بعد بھی اس کا پیچھا نہیں چھوڑا۔ اب وہ ایک دوست کے ساتھ اس کے فلیٹ میں رہنے لگا تھا۔ وہ ہمہ وقت گم صم اور خیالات میں الجھا رہنے لگا۔ وہ اچانک خیالات سے چونک



کر اِردگرد سہمی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگتا اور اُٹھ کر کمرے کا ایک ایک گوشہ دیکھنے لگتا کہ کہیں وہ بریدہ ہاتھ وہاں موجود تو نہیں ہے۔

چند روز اسی کشمکش اور خوف کی حالت میں گزر گئے۔ پھر اُس نے خود کو سنبھالا اور اپنے آپ کو تسلی دی کہ جو ہوا سو ہوا، اب اسے وہ سب کچھ بھلا دینا چاہئے۔ وہ منحوس ہاتھ یقیناً اس کے مکان کے ساتھ ساتھ جل کر راکھ ہو چکا ہو گا۔ بہتر یہی ہے کہ وہ خود کو مصروف رکھے ورنہ الٹے سیدھے خیالات اسے پاگل کر دیں گے۔

اب وہ خود کو مصروف رکھنے کے لئے نمائشوں میں جانے لگا اور بتدریج اُس کا خوف کم ہونے لگا اور اعتماد بحال ہوا تو اُس نے پھر دل کھول کر مصوروں کی فنی خامیوں کی نشاندہی کرنی شروع کر دی۔ ایک رات وہ نمائش سے واپس آ رہا تھا۔ اس وقت وہ خود کو بڑا ہشاش بشاش محسوس کر رہا تھا۔ اُس نے خوف سے پیچھا چھڑا لیا تھا۔ اب اس کے دل میں صرف اپنے مکان کے جلنے اور اس سے ہونے والے نقصان کا قلق تھا جس کے بارے میں سوچ کر وہ ٹھنڈی آہ بھر کر رہ جاتا۔

نمائش سے واپسی پر اسے کچھ دیر ہو گئی تھی اس لئے وہ کار کو تیز چلا رہا تھا۔ اگلے چوراہے سے اُسے دائیں طرف مڑنا تھا لیکن اس نے رفتار کم نہیں کی۔ سڑک پر ٹریفک بہت کم تھا لہٰذا وہ بڑے سکون اور اطمینان سے ڈرائیونگ کرتا رہا۔ اچانک اُس کی کار کی ونڈ اسکرین پر بارش کی تیز بوچھاڑ پڑی جو فوراً ہی رُک گئی۔ وہ حیرت سے سوچنے لگا کہ بارش کے تو کوئی آثار نہیں تھے۔ اُس نے بریک لگا کر اوپر آسمان کی طرف دیکھا۔ مطلع صاف تھا، کہیں کوئی بادل کا ٹکڑا بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ اچانک اُس نے بونٹ پر کسی چیز کے گرنے کی آواز سنی۔ اُس نے سوچا شاید کسی درخت کی ٹہنی ٹوٹ کر گری ہو گی۔ مگر جب اُس نے ہلکی سی روشنی میں غور سے بونٹ پر پڑی ہوئی چیز کو دیکھا تو اُس کے حلق سے عجیب سی آواز نکلی۔ اسے اپنے سامنے بونٹ پر ایک ہاتھ پڑا ہوا نظر آیا۔ بالکل

سیاہ......! جس کی انگلیاں جل کر کوئلے کی طرح ہو گئی تھیں۔ لیکن...... وہ ہاتھ آہستہ آہستہ اُس کی جانب بڑھ رہا تھا۔

کار اسٹارٹ تھی۔ اُس نے دہشت زدہ ہو کر اسے تیزی سے گیئر میں ڈالا اور کار ایک دم اُچھل کر بڑی تیزی سے آگے بڑھی۔ اُس کی کوشش تھی کہ وہ ہاتھ کسی طرح نیچے گر جائے۔ اس لئے وہ اسٹیئرنگ کو دائیں بائیں گھما رہا تھا۔ کار سڑک پر بڑی تیزی سے زگ زیگ کے سے انداز میں آگے بڑھی چلی جا رہی تھی۔ ایکسیلیٹر پر اس کے پاؤں کا دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔ وہ ہاتھ دائیں بائیں پھسل رہا تھا لیکن پھر وہ درمیان میں آ جاتا۔ ایڈی مارش کی نظریں اس ہاتھ پر جمی ہوئی تھیں اور کار طوفانی رفتار سے سڑک پر لہراتی ہوئی اڑی جا رہی تھی۔ اسے کسی بات کا ہوش نہیں رہا تھا۔ بس اس کی خواہش تھی کہ وہ منحوس ہاتھ کسی طرح بونٹ سے نیچے گر جائے۔ پھر دفعتہً ایک زوردار دھماکا ہوا اور ایڈی مارش کی آنکھوں کے سامنے سورج طلوع ہو کر تیزی سے غروب ہو گیا۔ ہر طرف تاریکی چھا گئی۔

جب اُسے ہوش آیا تو تب بھی اُس کی نظروں کے سامنے تاریکی ہی چھائی ہوئی تھی۔ اُسے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس نے سوچا کہ وہ شاید کسی تاریک کمرے میں ہے۔

''اُف......! کس قدر ہولناک حادثہ تھا۔'' اُسے کسی کی آواز سنائی دی۔

''ہاں، یہ ایک معجزہ ہی ہے کہ اس کی جان بچ گئی۔'' دوسری آواز سنائی دی۔

''افسوس، کہ زندگی تو بچ گئی لیکن...... دائیں ہاتھ کی محرومی اور بینائی کے بغیر زندگی کس کام کی۔''

ایڈی مارش کے دماغ میں آندھیاں سی چلنے لگیں۔ اُس کے ذہن میں ایک ہی صدا گونج رہی تھی۔ 'میں ٹنڈا ہو گیا ہوں...... میں اندھا ہو گیا ہوں...... میں اندھا...... مجھے کچھ بجھائی نہیں دے رہا...... مجھے......' ایڈی مارش کا ذہن ایک بار پھر تاریکیوں میں گم



ہو گیا۔ اتھاہ گہری تاریکیوں میں......!



''مم...... میرا ہاتھ کٹ جائے گا؟ میں اندھا ہو جاؤں گا؟''

ایڈی مارش بڑبڑایا۔ اُسے ٹرین کے ڈبے میں سوائے بوڑھے شیرک کے کچھ دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ پھر اُس نے سر کو زور سے جھٹکا دیا۔ اب اُسے سب کچھ دکھائی دینے لگا۔ رونالڈ اور جم ڈاسن اُسے غور سے دیکھ رہے تھے۔ وہ بڑی دیر سے ایڈی مارش کو پاگلوں کی طرح ایک سمت ٹکٹکی باندھے خوفزدگی کے عالم میں بیٹھا دیکھ رہے تھے۔ ڈبے میں موجود پانچواں شخص ڈاکٹر نارمن تھا۔ وہ بھی بغور اُس کی کیفیت کا جائزہ لے رہا تھا۔ وہ اپنی پیشہ ورانہ زندگی میں بارہا چند مریضوں کے چہرے پر ایسی ہی خوف و دہشت کی علامات کا مشاہدہ کر چکا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ایسے مریض جسمانی طور پر موجود ہونے کے باوجود درحقیقت اس دنیا سے بہت دور کسی اور ہی دنیا میں گم ہو جاتے ہیں۔ اُس نے ایڈی مارش کو ہوش میں آتا دیکھ کر سکون کی سانس لی۔ اس نے سوچا یہ شخص بھی یقیناً کسی ایسے ہی 'خوف کے سفر' سے واپس آیا ہے۔

''بہت خوب......!'' ایڈی مارش اب مکمل طور پر ہوش میں آ چکا تھا اور اب اس میں فطری رعونت اور استہزاء عود کر آیا۔ اس نے کہا۔ ''بڑی دلچسپ کہانی تھی مسٹر شیرک! لیکن صرف کہانی۔ حقیقت سے اس کا کوسوں دور کا بھی ربط نہیں۔'' وہ اب بھی یہ ماننے پر تیار نہیں تھا کہ ایسا کوئی واقعہ اس کی زندگی میں رونما ہو سکتا ہے۔

''یہ محض ایک کہانی نہیں میرے دوست۔ سچائی کا عکس تھا۔ مگر ابھی تم نے اسے نامکمل ہی دیکھا ہے۔ اس سلسلے میں تمہارا انجام کیا ہو گا...... وہ یہ آخری پتا ہی بتا سکتا ہے۔'' یہ کہہ کر ڈاکٹر شیرک نے اُلٹا ہوا پانچواں پتا سیدھا کیا۔ یہ وہی تیرہواں پتا تھا جس میں بدرُوح اپنے ہاتھ میں درانتی لئے انسانی سروں کی فصل کاٹ رہی تھی۔

"گویا ہم سب کا انجام ایک ہی ہے؟" رونالڈ نے کہا۔

"میں سمجھا نہیں۔" ڈاکٹر نارمن نے رونالڈ سے پوچھا۔ "ہم سب کے انجام...... سے کیا مطلب ہے تمہارا؟"

رونالڈ نے جواب دیا۔ "ہر مرتبہ آخری پتے پر، بقول ڈاکٹر شیرک کے ہمارا انجام پوشیدہ ہے، یہی تیرہواں پتا سامنے آیا ہے۔ جس کا مطلب ہے ہم سب کی نجات صرف اور صرف...... موت ہے۔"

ڈاکٹر نارمن ان لوگوں کی توہم پرستی پر متاسف ہو گیا۔ وہ خود کو توہم پرست نہیں سمجھتا تھا۔ وہ ڈاکٹر شیرک کو مسمریزم یا ہپناٹزم کا ماہر سمجھ رہا تھا۔ وہ خود ڈاکٹر تھا اور اپنے آپ کو مضبوط قوتِ ارادی کا مالک سمجھتا تھا۔ اُسے یقین تھا کہ ڈاکٹر شیرک اُس کے مضبوط اعصاب میں دراڑیں نہیں ڈال سکے گا۔ وہ دوسروں کی طرح اسے اپنے لاشعور میں جھانکنے پر مجبور نہیں کر سکے گا۔ زندگی کے بارے میں ڈاکٹر نارمن کے خیالات و نظریات بڑے اعلیٰ تھے۔ اُسے اپنے خوشگوار مستقبل سے کوئی خدشہ نہیں تھا۔ وہ اپنی خوبصورت بیوی سونیا اور گیارہ سالہ بیٹی این کے ساتھ زندگی کے حسین ترین دن گزار رہا تھا اور آئندہ کے لئے بھی اُسے اپنے مستقبل سے اچھی اُمیدیں وابستہ تھیں۔

"کیا آپ اپنے مستقبل کے بارے میں جاننا پسند کریں گے؟" ڈاکٹر شیرک نے نارمن سے پوچھا۔

"ضرور۔" نارمن نے ہنستے ہوئے کہا۔

ڈاکٹر شیرک نے تاش پھینٹ کر اس کی طرف بڑھا دیئے۔

پہلے پتے پر ایک خوبصورت لڑکی کی تصویر تھی جو قدیم وضع کے لباس میں ملبوس تھی اور اُس کے اردگرد سفید چمکدار سی دُھند نے حلقہ بنایا ہوا تھا۔ دوسرے پر شیطان کی تصویر تھی جس نے ایک ہاتھ میں آتشیں ترشول اور دوسرے میں ایک انسانی کھوپڑی اٹھا



رکھی تھی جس سے شعلے اٹھ رہے تھے۔ تیسرے پر ایک سہمی ہوئی بچی کی تصویر تھی جو خوفزدہ نظروں سے ہاتھ اٹھا کر گویا کسی نادیدہ شے سے بچنے کی کوشش کر رہی تھی۔ چوتھے پتے پر اسے آگ کے شعلے نظر آئے۔ سرخ شعلے۔ اس نے محسوس کیا کہ چاروں پتوں پر ایک چیز مشترک تھی۔ یعنی آگ، دُھواں اور دُھند۔

وہ غور سے اس آخری پتے کو دیکھنے لگا اور سوچنے لگا کہ ان تصویروں سے آخر کیا کہانی بن سکتی ہے۔ کیا واقعی آنے والے دنوں میں اسے ان چیزوں سے واسطہ پڑنے والا ہے؟ لیکن وہ تو شاید مستقبل میں قدم رکھ چکا تھا۔ وہ آگ کے شعلے جو اُسے تاش کے پتے پر نظر آ رہے تھے، اب ان کی تپش محسوس کرنے لگا تھا۔ اب وہ ریل کے ڈبے میں نہیں تھا۔ اُس کے سامنے اب تاش کے پتے بھی نہیں تھے۔ اُس کی نظروں کے سامنے منظر بدلنے لگا اور ڈاکٹر نارمن ہر لحاظ سے اس منظر کا جزو بن چکا تھا۔ وہ کوئی خواب کا عالم نہیں تھا جو سامنے آ رہا تھا۔ مستقبل پر پڑے دبیز پردے اٹھنے لگے۔

سرسبز و شاداب علاقہ، تیز دُھوپ میں چاندی کی طرح چمکتا ہوا دریا کا پانی اور لہلہاتے درخت۔ وہ قصبہ اپنے اردگرد کے فطری مناظر اور قدرتی خوبصورتی کے باعث مثالی حیثیت رکھتا تھا۔ نارمن سوچنے لگا کہ یہ مناظر تو اس کے جانے پہچانے اور دیکھے ہوئے ہیں۔ یہ وہی جگہ تو تھی جہاں وہ اپنی بیوی اور بیٹی کے ساتھ خوش و خرم زندگی گزار رہا تھا۔ مناظر واضح ہوتے گئے اور وہ ان کا جزو بن چکا تھا۔



صبح خنک مگر روشن تھی۔ این کو روزانہ اسکول چھوڑنے کی ذمہ داری نارمن کی تھی۔ لیکن آج این سر درد کے باعث اسکول نہیں جا سکی تھی۔ گزشتہ رات سے بدستور اُس کے سر میں درد ہو رہا تھا۔ نارمن نے کھلی فضا میں پہنچ کر چند گہرے سانس لئے اور قصبے کے پارک کی طرف چل دیا۔ ہسپتال کے دفتر میں وہ گزشتہ چھ برس سے خدمات انجام

دے رہا تھا۔ دفتر پہنچنے کے لئے اُس کے پاس خاصا وقت تھا۔ پارک میں داخل ہوتے وقت نارمن نے نظر اٹھا کر این کے اسکول کی سمت دیکھا اور سوچا آج بھی وہ پراسرار اجنبی اسکول کے پھاٹک کے سامنے کھڑا ہوگا۔

اُس نے پہلی بار اس اجنبی کی موجودگی ایک ماہ قبل محسوس کی تھی پھر اُسے شبہ ہونے لگا کہ وہ اس کا تعاقب بھی کرتا ہے۔ وہ اسے کئی مختلف مقامات پر اپنے اردگرد منڈلاتا نظر آیا تھا۔ پہلی بار اُسے دیکھ کر اُسے عجیب سا تعجب ہوا تھا۔ وہ اسکول کے پھاٹک کے سامنے کھڑا، آتے جاتے بچوں کو گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ تعجب کی بات یہ تھی کہ وہاں مرد اور عورتوں کی آمد و رفت جاری تھی جو اپنے بچوں کو اسکول کے پھاٹک پر چھوڑ کر واپس چلے جاتے تھے لیکن وہ وہیں خاموش کھڑا آتے جاتے بچوں کا نہایت انہماک سے جائزہ لیتا رہا تھا۔ وہ ادھیڑ عمر کا صحت مند شخص تھا جس نے نفیس سوٹ زیب تن کیا ہوا تھا۔ لیکن نہ جانے کیوں نارمن کو اُس کی شخصیت اس نفیس اور قیمتی لباس سے میل کھاتی محسوس نہیں ہوئی تھی۔

جب اُسے یہ احساس ہوا کہ وہ پراسرار شخص اس کا پیچھا کرتا رہتا ہے تو اُسے خیال آیا کہ وہ کہیں کوئی سرکاری اہل کار یا جاسوس تو نہیں؟ اُس نے سوچا کہ اگر وہ واقعی کسی ایسے ادارے سے تعلق رکھتا ہے تو اُسے اس سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ وہ ایک پُرامن اور قانون پسند شہری تھا اور اُس نے ڈاکٹر ہونے کی حیثیت سے کبھی اپنی ذمہ داریوں سے چشم پوشی نہیں کی تھی۔ اس نے سوچا کہ اگر وہ کوئی اچکا ہے تو اس سے محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔

اس دن وہ ہسپتال میں اپنے دفتر پہنچا تو ریکارڈ کیپر جان نے اُس کے کمرے میں داخل ہونے کی اجازت چاہی۔

”جناب! ایک شخص آپ کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔“ جان نے



بتایا۔ ”وہ آپ کے آنے سے پہلے تقریباً دس منٹ قبل یہاں سے روانہ ہوگیا تھا۔“

”کون تھا وہ؟“

”وہ اپنے بارے میں کچھ بتانا نہیں چاہتا تھا۔“ جان نے جواب دیا۔ ”اُس کی خواہش تھی کہ اُسے آپ کے ذاتی حالات کے بارے میں بتایا جائے کہ اس سے قبل آپ کہاں کہاں خدمات انجام دے چکے ہیں...... بلکہ وہ چاہتا تھا کہ آپ کے مکمل کوائف کی فائل اُسے ایک نظر دیکھنے کی اجازت دی جائے۔“

”پھر......؟“

”میں نے اُس سے معذرت چاہی کہ مسٹر نارمن کی اجازت کے بغیر کسی غیر متعلق شخص کو ایسی فائل نہیں دکھا سکتے لیکن جناب......!“ جان ایک لمحے کے توقف کے بعد بولا۔ ”اُس کا رویہ کچھ عجیب، پراسرار سا تھا۔ اُس نے مجھ سے تمام گفتگو نہایت عاجزانہ انداز میں کی لیکن جب میں نے اُس سے کہا کہ مسٹر نارمن خود آنے ہی والے ہیں تو اُس کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار نمایاں ہوگئے اور مجھ سے اجازت لے کر رخصت ہوگیا۔ پہلے تو مجھے خیال آیا کہ سکیورٹی طلب کر کے اُسے اس وقت تک بٹھائے رکھوں۔ لیکن جناب...... کمرے سے نکل کر میں نے دیکھا تو وہ شخص مجھے کہیں نظر نہ آیا۔ لمبی سی راہداری بالکل سنسان پڑی تھی۔ لمحے بھر کے وقفے میں وہ شخص نہ جانے کس طرف نکل گیا۔“

”میرے ذاتی کوائف جاننے کی ضرورت کسے محسوس ہو رہی ہے؟“ وہ بڑبڑایا۔ پھر جان سے مخاطب ہوا۔ ”تم اُس کا حلیہ بتا سکتے ہو؟“

جب جان نے اُس شخص کا حلیہ بتایا تو نارمن کو حیرت کا جھٹکا لگا۔ اس حلیئے پر وہ پراسرار شخص صد فی صد فٹ بیٹھتا تھا جسے وہ گزشتہ ایک ماہ سے این کے اسکول کے گیٹ پر دیکھ رہا تھا۔



اس واقعے کے ایک ہفتے بعد وہ اجنبی پہلی بار اُسے این کے اسکول کے سامنے کھڑا نظر آیا۔

اسکول کے گیٹ کے سامنے پہنچ کر نارمن نے این کو پیار کیا اور اسے رخصت کر کے آگے بڑھا تو دفعتہً اُس کی نظر پراسرار اجنبی پر پڑی۔ وہ غیر ارادی طور پر اُس کے پاس پہنچ گیا۔ ”ہیلو مسٹر......!“ اُس نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔ ”میرا نام ڈاکٹر نارمن ہے۔ شاید تم مجھ سے ملنا چاہتے ہو؟“

”مم...... میں......“ وہ شخص بوکھلا گیا تھا۔ اُس نے گھبرائے ہوئے سے لہجے میں کہا۔ ”ہاں......لل......لیکن، فی الحال نہیں......شاید......“ وہ اپنا جملہ مکمل کئے بغیر تیزی سے پلٹا اور ایک طرف روانہ ہو گیا۔

نارمن اُلجھ کر رہ گیا۔ وہ سوچنے لگا کہ آخر یہ شخص اس سے کیا چاہتا ہے۔ اس نے یہ بھی اندازہ قائم کر لیا کہ وہ شخص اس سے ملنا چاہتا ہے لیکن اس نے کہا تھا کہ ’فی الحال نہیں‘ اس کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟ اُس نے دل ہی دل میں فیصلہ کر لیا کہ وہ اس بات کا تذکرہ سونیا سے نہیں کرے گا۔ خوامخواہ وہ پریشان ہو جائے گی۔“



وہ شخص آج پھر وہاں موجود تھا۔ سونیا نے اس ادھیڑ عمر، صحت مند اجنبی پر اچٹتی ہوئی نظر ڈالی اور بچوں کی طرف متوجہ ہو گئی جو اُچھلتے کودتے، شور مچاتے ہوئے اسکول کے پھاٹک سے باہر نکل رہے تھے۔ اس کی گیارہ سالہ بیٹی این خوشی سے اچھلتی ہوئی اُس کی طرف بڑھی۔ سونیا نے جھک کر اسے پیار کیا اور اس کا بیگ سنبھال کر آگے بڑھی۔ اچانک اُس کی نظر اُس اجنبی پر پڑی جو این کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ سونیا کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اس نے جلدی سے این کا ہاتھ تھاما اور اسے کھینچتی ہوئی بڑی



تیزی سے گھر کی طرف چل دی۔ سڑک کے نکڑ پر پہنچ کر، اپنے گھر کی گلی میں داخل ہونے سے پہلے سونیا نے نسبتاً اعتماد کے ساتھ پلٹ کر پیچھے دیکھا۔ وہ شخص وہیں کھڑا انہی کی جانب دیکھ رہا تھا۔ سونیا کے رگ و پے میں سنسنی سی دوڑ گئی۔ وہ بڑی عجلت میں گلی میں داخل ہو گئی۔

این کھانا کھا کر اپنے کمرے میں چلی گئی تو سونیا ایک بار پھر اس اجنبی کے بارے میں سوچنے لگی جس نے اُسے بری طرح خوفزدہ کر دیا تھا۔ وہ این کو عجیب سی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ سونیا کو اس کی آنکھوں میں مسرت کی چمک اور افسردگی کے سائے گڈمڈ ہوتے محسوس ہوئے تھے۔ گویا وہ اپنی کسی گمشدہ شے کو پا کر خوش ہو رہا تھا لیکن جسے پانے کے باوجود وہ شے اُس کی دسترس سے دُور ہو۔

چند لمحوں کے بعد سونیا اُٹھ کر کھڑکی کے قریب آ گئی اور باہر کی طرف دیکھنے لگی۔ اُسے دھڑکا لگا ہوا تھا کہ کہیں وہ شخص اُس کے گھر کے آس پاس نہ منڈلا رہا ہو لیکن اُس کا یہ خیال بے بنیاد ثابت ہوا۔ وہ کئی دنوں تک اس شخص کو این کے اسکول کے اردگرد منڈلاتا ہوا دیکھ رہی تھی۔ کچھ دنوں سے اُسے یہ احساس ہونے لگا کہ این اس پراسرار اجنبی کی توجہ کا مرکز بن چکی ہے۔ اب سونیا اُس کی غیر معمولی اور پراسرار حرکات و سکنات سے پریشان ہو گئی تھی اور اُس نے فیصلہ کر لیا کہ آج وہ اپنے شوہر نارمن سے اس کا تذکرہ ضرور کرے گی۔



شام کے کھانے پر نارمن نے اپنے دوست ڈاکٹر ولسن کو مدعو کیا تھا۔ سات بجے ڈاکٹر ولسن اور اُس کی بیوی نینسی وہاں آ پہنچے۔ وہ ان سے دو بلاک کے فاصلے پر رہتے تھے اور عموماً ایک دوسرے کے ہاں دعوتیں منعقد کرتے رہتے تھے۔ دونوں گھرانوں کے درمیان شطرنج اور موسیقی کا شوق مشترک تھا۔ کھانا کھانے کے بعد ولسن اور نارمن بساط

بچھا کر بیٹھ گئے۔ سونیا اور نینسی ساتھ بیٹھ کر اپنی اپنی پسند کے ریکارڈ سنتی رہیں۔ سونیا، این کو کھانا کھلا کر اوپر کمرے میں سلا آئی تھی لیکن شاید ان کے قہقہوں کے شور سے یا موسیقی کی آواز سے اُس کی آنکھ کھل گئی اور وہ نیچے چلی آئی۔ سونیا کی جیسے ہی اُس پر نظر پڑی وہ تیزی سے اُٹھ کر اُس کی طرف لپکی۔ ''کیا بات ہے این! تم نیچے کیوں چلی آئیں؟'' سونیا نے اُس کے بال سنوارتے ہوئے پیار سے پوچھا۔

''ممی! میرے سر میں درد ہو رہا ہے۔'' وہ ماں سے لپٹتے ہوئے بولی۔

''اچھا چلو، میں تمہیں دوا دیتی ہوں۔ اس کے بعد تم سو جانا۔''

سونیا اُس کا ہاتھ تھام کر سیڑھیاں چڑھنے لگی اور سوچنے لگی کہ آج کل این کو مستقل سر درد کی شکایت کیوں رہنے لگی ہے۔

ولسن اور نینسی رخصت ہونے کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ نارمن بھی جمائیاں لے رہا تھا۔ سونیا نے سیڑھیوں پر کھڑے کھڑے ہی انہیں خدا حافظ کہا اور اوپر این کے کمرے میں چلی گئی۔ وہ این کو دوا دے کر کافی دیر تک بیٹھی اُس کا سر سہلاتی رہی۔ جب وہ سو گئی تو سونیا اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ نارمن سو چکا تھا۔ ان کی شادی کو بارہ برس ہو چکے تھے اور اس نے یہ عرصہ بڑے سکون سے گزارا تھا۔ لیکن آج اُس کے ذہن پر ایک انجانے سے خوف نے اپنے پنجے گاڑ دیئے تھے۔ طرح طرح کے خدشات اُسے پریشان کرتے رہے۔ آج وہ کوشش کے باوجود نارمن کو کچھ نہیں بتا پائی تھی۔ اسے اس کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔



این دوسرے دن سر درد کے باعث اسکول نہ جا سکی۔ صبح کے دس بجے تھے۔ سونیا این کا دل بہلانے کی خاطر اُس سے کھیلنے میں مگن تھی۔ دفعتہً فون کی گھنٹی نے اُسے اپنی طرف متوجہ کیا۔ ''ہیلو'' اُس نے ریسیور کان سے لگاتے ہوئے کہا۔



دوسری طرف چند لمحے خاموشی رہی۔ پھر ایک اجنبی، بھاری بھاری سی مردانہ آواز اُس کی سماعت سے ٹکرائی۔ ''اب وہ کیسی ہے؟''

''کک...... کون؟''

''تنا...... مم...... میرا مطلب ہے...... این کی طبیعت اب کیسی ہے؟''

سونیا نے ایک جھٹکے سے ریسیور کریڈل پر رکھ دیا۔ یقیناً یہ وہی شخص تھا۔ سونیا نے دھڑکتے دل کے ساتھ سوچا۔ ''لیکن اسے ہمارا ٹیلی فون نمبر کیسے معلوم ہوا؟'' وہ انجانے خوف سے سرتاپا لرز اُٹھی......!



"ممی......! آیئے نا۔" این کے پکارنے پر وہ گویا ہوش میں آ گئی۔ وہ خود کو سنبھالتی ہوئی اُس کے پاس پہنچ گئی۔ "کس کا فون تھا ممی؟" این نے معصومیت سے پوچھا۔

"رانگ نمبر تھا بیٹی......" سونیا نے بیٹی کو بہلانا چاہا۔ اُس کا جملہ ادھورا رہ گیا۔ فون کی گھنٹی ایک بار پھر بجی۔ دھڑکتے دل سے اُس نے ریسیور اٹھایا۔

"این کیسی ہے؟" سونیا کے ہیلو کہتے ہی دوسری طرف سے پوچھا گیا۔ وہ آواز نارمن کی تھی۔ جسے سن کر سونیا نے سکون سا محسوس کیا۔

"اب وہ بالکل ٹھیک ہے۔" اُس نے کن انکھیوں سے این کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ اچانک دوسرے فون کی گھنٹی بجنے لگی۔ یقیناً یہ اُسی شخص کا فون ہے۔ سونیا کے ذہن میں بے اختیار یہ خیال آیا۔ وہ دل ہی دل میں دُعا مانگنے لگی کہ نارمن جلدی سے اپنی گفتگو کا سلسلہ منقطع کر لے۔ "نارمن! کوئی خاص بات......؟" اُس نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ "دوسرے فون کی گھنٹی بج رہی ہے۔"

"تم اطمینان سے فون پر بات کر لو۔ میں انتظار کر لوں گا۔"

سونیا ریسیور میز پر رکھ کر دوسرے کمرے کی طرف لپکی جہاں دوسرا فون رکھا تھا لیکن اس کے پہنچنے سے پہلے ہی این ریسیور اٹھا چکی تھی۔ "میں بالکل ٹھیک ہوں انکل!" وہ کہہ رہی تھی۔ "اچھا گڈ بائی۔"

"کون تھا این!" سونیا نے این کو ریسیور رکھتے ہوئے دیکھ کر نرمی سے پوچھا۔



"پتہ نہیں کون تھا ممی۔" این نے معصومیت سے جواب دیا۔ "وہ میری طبیعت کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔"

"اُس نے اپنا نام بتایا تھا؟"

"نہیں ممی! لیکن اُسے میرا نام معلوم تھا۔" این نے جواب دیا۔

سونیا کو اچانک خیال آیا کہ دوسرے فون پر نارمن اُس کا انتظار کر رہا ہو گا۔ وہ جلدی سے دوسرے کمرے کی طرف بڑھی۔ اُس نے دل ہی دل میں پختہ فیصلہ کر لیا کہ آج شام وہ نارمن کو سب کچھ بتا دے گی۔



"ایک اجنبی میری پریشانی کا باعث بنا ہوا ہے۔" سونیا نے چائے کا کپ نارمن کی طرف بڑھاتے ہوئے دھیرے سے کہا۔

نارمن نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا۔ "وہ ادھیڑ عمر سا شخص جو......"

"تت......تم اُسے کیسے جانتے ہو؟" سونیا نے حیرت سے پوچھا۔

"میں اُسے گزشتہ ایک ماہ سے دیکھ رہا ہوں۔" نارمن نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔ "وہ صبح کے وقت پابندی سے اسکول آتا ہے۔"

"اچھا......! چھٹی کے وقت بھی وہ وہاں کھڑا رہتا ہے۔" سونیا نے کہا۔ "تمہارے خیال میں وہ کیا چاہتا ہے؟"

"میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا......"

"نارمن! اُس کی توجہ کا مرکز این کی ذات ہے۔" سونیا نے اُس کی بات کاٹ کر کہا۔

"یہ...... یہ تم کیسے کہہ رہی ہو۔ تمہارے اس خدشے کا سبب کیا ہے؟" نارمن نے پوچھا۔ سونیا کی اس بات نے اُسے پریشان کر دیا تھا۔

"وہ این کو غور سے دیکھتا ہے۔ اس کا تعاقب کرتا ہے اور...... اُس نے آج فون بھی

کیا تھا۔ اُس کی این سے بات بھی ہوگئی تھی۔ وہ این سے اُس کی طبیعت کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا کہ وہ چاہتا کیا ہے؟''

''میں بھی اب تک کوئی اندازہ قائم نہیں کر سکا۔'' نارمن نے اعتراف کیا۔

''کیوں نہ ہم پولیس سے رابطہ قائم کریں؟'' سونیا نے مشورہ دیا۔

''لیکن پولیس اس سلسلے میں کیا کر سکتی ہے؟'' نارمن نے کہا۔ ''اس نے اب تک ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ فون پر اگر وہ این کی خیریت دریافت کرتا ہے تو یہ بات اس کے خلاف استعمال نہیں ہو سکتی۔''

''اُف خدایا!'' سونیا روہانسی ہوگئی۔ ''یہ شخص تو ہمارے اعصاب پر مسلط ہوگیا ہے۔''

''تمہیں بلاوجہ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔'' نارمن نے اُس کا ہاتھ تھپکتے ہوئے کہا۔ ''جو ہوگا میں......''

فون کی گھنٹی بجنے کے باعث وہ اپنا جملہ مکمل نہ کر سکا اور اُٹھ کر فون کی طرف بڑھا۔

''مسٹر نارمن! میں جیرالڈ بول رہا ہوں۔'' دوسری طرف سے آواز آئی۔

''جیرالڈ......! کون جیرالڈ؟''

''جس سے آپ اسکول کے سامنے بات کرنا چاہتے تھے۔'' دوسری جانب سے کہا گیا۔

''اوہ......!'' نارمن کے ہونٹوں سے بے ساختہ نکلا اور اُس نے کن انکھیوں سے سونیا کی طرف دیکھا جو اسی کی طرف متوجہ تھی۔ اس نے سرد لہجے میں کہا۔ ''کہو......تم کیا کہنا چاہتے ہو؟''

''میں تم سے فوری طور پر ملنا چاہتا ہوں۔''

''ہوں......'' نارمن نے سوچتے ہوئے کہا۔ ''تم سے ملنے کے لئے تو میں بھی بے



تاب ہو رہا ہوں۔ بولو کہاں ملنا پسند کرو گے؟''

''اگر تم اجازت دو تو تمہارے گھر آ جاؤں؟''

''نہیں۔'' نارمن نے جلدی سے کہا۔ ''کل تم میرے دفتر آ جاؤ۔''

''میں چاہتا ہوں کہ تمہاری بیوی بھی اس گفتگو میں شریک رہے۔'' جیرالڈ نے نرمی سے کہا۔ ''اگر تم اپنے گھر میں میری آمد پسند نہیں کرتے تو پھر کسی قریبی ریستوران میں آ جاؤ......تم دونوں۔''

''ہم اپنی بچی کو تنہا نہیں چھوڑ سکتے۔'' نارمن نے تیز لہجے میں کہا۔

''میری بات سمجھنے کی کوشش کرو مسٹر نارمن!'' جیرالڈ نے کہا۔ ''تم این کو اپنے دوست ڈاکٹر ولسن کے ہاں چھوڑ سکتے ہو۔''

نارمن چند لمحوں تک سوچتا رہا۔ پھر بولا۔ ''ٹھیک ہے، ہم نو بجے پیٹر کے ریستوران میں موجود ہوں گے۔''



''معاف کیجئے گا مسٹر نارمن!'' جیرالڈ کہہ رہا تھا۔ ''میری وجہ سے گزشتہ دنوں جو آپ کو ذہنی کوفت اٹھانی پڑی، میں اس کے لئے معذرت خواہ ہوں۔''

نارمن اور سونیا سحر زدہ سے انداز میں بیٹھے اس پراسرار شخص کو دیکھ رہے تھے۔ جب وہ ریستوران میں داخل ہوئے تو جیرالڈ کاؤنٹر کے سامنے ہی ایک اسٹول پر بیٹھا ان کا انتظار کر رہا تھا۔ پھر وہ تینوں آگے پیچھے چلتے ریستوران کے مغربی حصے میں رکھی ایک میز پر جا بیٹھے۔

''آپ سوچ بھی نہیں سکتے کہ میں اس ملاقات کے لئے کتنے عرصے سے منتظر تھا۔ میں نے آپ کو تلاش کرنے کے لئے نہ جانے کتنی اذیتیں برداشت کی ہیں۔''

''لیکن کیوں؟ مسٹر جیرالڈ! آپ کی باتیں میری سمجھ میں نہیں آ رہیں۔'' ڈاکٹر

نارمن اُس کے چہرے پر نظریں گاڑ کر بولا۔

''کیوں......؟'' جیرالڈ نے معنی خیز انداز میں اس کی طرف دیکھا۔''وقت آنے پر آپ خود ہی سمجھ جائیں گے، لیکن اس کے لئے ہمارے درمیان دوستانہ ماحول اور ذہانت کی ضرورت ہے۔''

''آپ کی باتیں ہمارے لئے ناقابل فہم ہیں۔'' نارمن نے سپاٹ لہجے میں کہا۔ ''کھل کر بات کریں۔''

جیرالڈ نے کہنا شروع کیا۔''آج سے گیارہ سال پہلے ایک حادثے نے میری بچی کو مجھ سے چھین لیا تھا۔ اُس کی جدائی نے میری زندگی اندھیر کر دی تھی۔ پھر اچانک ایک دن مجھے یہ احساس ہوا کہ میری بیٹی نتاشا یہیں کہیں میرے قریب موجود ہے۔ پھر میں اُسے پانے کے لئے بے چین ہو گیا اور میں اسی سلسلے میں بھارت، نیپال اور تبت کے دُور افتادہ علاقوں میں بھٹکتا رہا۔ اس دوران میری ہزاروں افراد سے ملاقات ہوئی اور کئی ماہر روحانیات سے بھی ملا۔ پھر مجھے یقین ہونے لگا کہ میری بچی یہیں، اسی دنیا میں کہیں موجود ہے۔ مجھے بھی کچھ مخفی علوم پر دسترس حاصل ہے...... جس سے مجھے معلوم ہوا کہ اب نتاشا کا نام این ہے......''

نارمن غور سے اُس کی باتیں سن رہا تھا لیکن آخری جملہ سن کر وہ بری طرح چونک گیا۔ سونیا نے اُس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام لیا جو بری طرح لرز رہا تھا۔

ایک لمحے کی خاموشی کے بعد جیرالڈ نے سلسلۂ کلام جوڑتے ہوئے کہا۔''میری باتیں آپ کے لئے ناقابل یقین سہی لیکن میں نتاشا...... مم...... میرا مطلب ہے این کے ماضی کے متعلق کچھ ایسی باتیں بتا سکتا ہوں، اور اُس کی عادتوں کے بارے میں چند باتیں بھی بتا سکتا ہوں جو پہلے بھی اس میں موجود تھیں......'' پھر جیسے اُسے کوئی اہم بات یاد آ گئی۔ وہ بولا۔''گیارہ سال کی عمر میں نتاشا کے سر میں مستقل درد رہنے لگا تھا



اور اس کے جل کر ہلاک ہونے تک کا سر درد، کافی علاج کرانے کے باوجود ختم نہیں ہوا تھا۔''

سونیا نے گہرا سانس لیا۔''مسٹر، آپ کی بیٹی نتاشا کی موت کس عمر میں ہوئی تھی؟'' اُس نے تھوک نگلتے ہوئے پوچھا۔

''وہ گیارہ برس کی عمر میں اس بھیانک حادثے کا شکار ہوئی تھی۔'' جیرالڈ نے گلوگیر لہجے میں کہا۔

''اُسے آگ کس طرح لگ گئی تھی؟''

''دراصل میرے پورے گھر کو آگ لگ گئی تھی۔'' جیرالڈ نے بتایا۔''میں کسی طرح بچ گیا لیکن میری بچی نتاشا......'' جیرالڈ کی آواز رندھ گئی۔ اُس نے کھنکار کر گلا صاف کرتے ہوئے مزید کہا۔''اُس کے ہلاک ہونے کے چند منٹ بعد نیویارک کے ہسپتال میں آپ کی بیٹی این نے جنم لیا تھا۔''

سونیا کا پورا وجود لرز اٹھا۔ اسی لمحے نارمن نے اپنی کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔ ''مسٹر جیرالڈ! آپ نے خواہ مخواہ ہمارا وقت ضائع کیا۔'' پھر وہ سونیا کو اٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے سپاٹ لہجے میں بولا۔''آپ اپنی من گھڑت کہانی کے ذریعے یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ این ہماری نہیں دراصل آپ کی بیٹی ہے۔''

''یہ من گھڑت کہانی نہیں ہے مسٹر نارمن!'' جیرالڈ نے قدرے تیز لہجے میں کہا۔ یکلخت اُس کی آنکھوں میں گویا بجلی سی کوند گئی تھی۔ پھر وہ خود پر قابو پاتے ہوئے دھیمے لہجے میں بولا۔''آپ میرا مقصد یقیناً سمجھ گئے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ہم مل جل کر اس معاملے کو طے کر لیں۔ مجھے معلوم ہے کہ اس سلسلے میں قانون میری مدد نہیں کر سکتا لیکن آپ......''

''مسٹر جیرالڈ! آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ کی بیٹی نتاشا نے مرنے کے بعد این

کے روپ میں ہمارے ہاں جنم لیا ہے...... لیکن میں ایسی خرافات پر قطعاً یقین نہیں رکھتا اور براہ مہربانی آئندہ آپ اس سلسلے میں مجھ سے رابطہ نہیں کریں گے۔'' نارمن نے سرد لہجے میں کہا اور بیوی سمیت وہاں سے روانہ ہوگیا۔

جیرالڈ انہیں جاتا ہوا دیکھ کر بڑبڑایا۔''اب تو آپ سے رابطہ رہے گا ہی مسٹر نارمن! یہ میری مجبوری ہے۔''



نارمن کا خیال تھا کہ جیرالڈ نے یہ سارا ڈرامہ ان سے کچھ رقم اینٹھنے کے لئے رچایا ہے لیکن سونیا اس سے متفق نہیں تھی اس لئے وہ دونوں کافی دیر تک تبادلہ خیال کرتے رہے لیکن کسی حتمی نتیجے میں نہ پہنچ سکے۔ ایک بات پر بہرحال دونوں متفق تھے کہ جیرالڈ کو ان سے آئندہ رابطہ نہ کرنے کی تاکید کرنے کے باوجود وہ آسانی سے اُن کا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔

دوسرے دن نارمن نے دفتر پہنچتے ہی سونیا کو فون کیا۔''ہیلو سونیا! کوئی خاص بات؟''

''وہ تین بار فون کر چکا ہے۔''

''کیا کہہ رہا تھا؟''

''وہ بضد ہے کہ اسے گھر آنے دیا جائے اور اس مسئلے پر تفصیلی گفتگو کی جائے۔''

دوسری طرف نارمن کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر بولا۔''اگر وہ پھر فون کرے تو اُسے آج شام ساڑھے پانچ بجے بلوا لو۔ میں پانچ بجے دفتر سے نکلوں گا اور سوا پانچ بجے گھر پہنچ جاؤں گا۔ اگر اس دوران اس نے مجھے فون کیا تو میں بات کرلوں گا۔''



نارمن شام کو گھر پہنچا تو سونیا نے اُسے بتایا کہ جیرالڈ نے بعد میں بھی فون کیا تھا اور اس نے اسے ساڑھے پانچ بجے اپنے گھر مدعو کرلیا تھا۔



پھر نارمن نے جلدی جلدی جیب سے ٹیپ ریکارڈر نکال کر صوفے کے نیچے چھپا دیا اور اس کا ننھا سا مائیک صوفے کے قریب تپائی پر رکھے گلدان میں پھولوں کے درمیان رکھ دیا۔ وہ ایک نظر میں دکھائی نہیں دیتا تھا۔ نارمن کی خواہش تھی کہ جیرالڈ کی گفتگو ٹیپ کر کے اس کے خلاف قانون سے مدد لی جاسکتی تھی۔

جیرالڈ ٹھیک ساڑھے پانچ بجے ان کے اپارٹمنٹ میں داخل ہوا اور چاروں طرف کا جائزہ لیا۔

''بیٹھیے۔'' نارمن نے اس صوفے کی طرف اشارہ کیا جس کے قریب ٹیپ ریکارڈر کا مائیک پوشیدہ تھا۔

''مسٹر جیرالڈ! میں آپ کا مؤقف تفصیل سے سننا چاہتا ہوں۔''

''میں آپ سے اپنا مؤقف گزشتہ رات بیان کر چکا ہوں۔'' جیرالڈ بولا۔

''خاص خاص باتیں پھر دہرا دیں تاکہ آپ کا مطلب سمجھنے میں آسانی رہے۔''

جیرالڈ نے چند لمحے سوچنے میں صرف کئے اور پھر بڑے اعتماد سے مختصراً اپنی کہانی دہرادی۔

''آپ کو یقین ہے کہ این آپ کی بیٹی نتاشا ہے؟''

''ہاں۔ مجھے سو فیصد یقین ہے کہ میری بیٹی نتاشا، این کی صورت میں یہاں موجود ہے۔'' جیرالڈ نے وثوق سے کہا۔

''آپ اتنے یقین سے کس طرح کہہ سکتے ہیں کہ این ہی وہی بچی ہے؟''

''میں نے پہلے بھی کہا تھا آپ سے کہ میں کچھ مخفی علوم پر بھی دسترس رکھتا ہوں۔'' جیرالڈ نے کہا۔''اور اسی ذریعے سے مجھے اشارے ملے تھے اور یہ اشارے مجھے فوراً ہی نہیں مل گئے تھے۔ مجھے بے شمار لوگوں سے ملنا پڑا۔ ہندوستان اور نیپال کی خاک چھاننے کے بعد تبت میں مجھ پر انکشاف ہوا کہ میری بیٹی اس وقت کہاں ہے۔ پھر میں

اس مطلوبہ جوڑے کی تلاش میں نکلا جو یقیناً آپ لوگ ہیں۔“

”چلئے میں مان لیتا ہوں کہ این آپ کی بیٹی نتاشا کا دوسرا روپ ہے۔ میں یہ ساری باتیں تسلیم کر لیتا ہوں...... لیکن اب آپ کیا چاہتے ہیں؟“ نارمن نے اُس کے چہرے پر نظر جماتے ہوئے دوٹوک لہجے میں پوچھا۔

”میرے ذہن میں کوئی ایسی بات نہیں ہے جو آپ لوگوں کے لئے قابل قبول نہ ہو۔“ جیرالڈ نے ملائمت سے کہا۔

”پھر بھی ہمیں آپ کا مدعا معلوم ہونا چاہئے۔“ نارمن نے اصرار کیا۔ ”ہمیں کیا کرنا چاہئے؟“

”مم...... میں نتاشا کے قریب رہنا چاہتا ہوں۔ اگر آپ اجازت دیں تو......“

”نہیں...... یہ ناممکن ہے......“ نارمن نے جلدی سے اس کی بات کاٹی۔

”مسٹر نارمن! اگر ہم دوست بن جائیں تو سارا مسئلہ حل ہو جائے گا۔ مجھے آپ اپنے ساتھ رہنے کی اجازت دے دیں۔ میں کبھی آپ کے لئے اُلجھن کا باعث نہیں بنوں گا۔“ جیرالڈ نے یقین دلایا۔

”مسٹر جیرالڈ! اگر آپ اچھے انسان ہیں اور واقعی ہمیں مزید پریشان کرنا نہیں چاہتے تو آپ جلد از جلد یہاں سے اپنے شہر لوٹ جائیں۔ این ہماری بیٹی ہے۔ وہ ہمارے ساتھ خوش ہے۔ آپ کا وجود اُس کی زندگی میں زہر گھول سکتا ہے۔“ نارمن نے کہا۔

جیرالڈ نے طویل سانس لی۔ اُس کا ذہن بڑی تیزی سے کام کر رہا تھا۔ ”آپ صرف نتاشا کی گیارہویں سالگرہ تک مجھے یہاں رہنے دیں۔ اُس سے مجھے ملنے دیں۔ پھر میں خود ہی یہاں سے چلا جاؤں گا۔“

”نہیں۔ یہ ممکن نہیں ہے۔“ نارمن نے دوٹوک لہجے میں جواب دیا۔ ”اب اگر آپ



ہمیں اس سلسلے میں پریشان کریں گے تو ہم آپ کے خلاف قانونی کارروائی کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔“

پھر کافی دیر تک دونوں کے درمیان بحث ہوتی رہی لیکن نارمن اُسے اپنے ساتھ رکھنے پر آمادہ نہ ہوا اور وہ بادل ناخواستہ وہاں سے رخصت ہو گیا۔



دوسرے دن نارمن اپنی اور جیرالڈ کی گفتگو کا ٹیپ اپنے قانونی مشیر مارٹن کو سنا رہا تھا۔ ٹیپ ختم ہوتے ہی نارمن نے اُسے پوری روداد سنا دی۔ پھر اُس سے پوچھا۔

”آپ کی اس سلسلے میں کیا رائے ہے؟“

”بڑی عجیب بات ہے۔“ اُس نے کہا۔ ”میرے خیال میں اس نوعیت کا کیس آج تک کسی عدالت میں پیش نہیں ہوا ہوگا۔“

”اب مجھے کیا کرنا چاہئے؟“

”اب تک اُس نے آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔“ مارٹن نے کہا۔ ”اگر آئندہ بھی اس نے اپنی حرکات جاری رکھیں تو ہم اس کی بنیاد پر جلد اور مؤثر کارروائی کر سکیں گے۔ آپ مطمئن رہیں۔ قانون اس کے نظریات اور عقائد کو کوئی اہمیت نہیں دے گا۔“

نارمن گھر پہنچا تو بہت خوش تھا۔ اُس نے سونیا کو بھی مارٹن سے اپنی ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتایا۔ وہ بھی مطمئن نظر آ رہی تھی۔ دفعتہ این کے کمرے سے چیخنے کی آوازیں آنے لگیں۔ دونوں اس طرف لپکے۔ این کمرے میں چکراتی پھر رہی تھی۔

”سونیا، جلدی سے دواؤں کا بیگ لاؤ۔ فوراً“ نارمن نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔ سونیا حواس باختہ نیچے دوڑی۔

”ش...... کا...... ت......!“ این کمرے میں چکراتی ہوئی بری طرح سے چیخ رہی تھی۔ ”ش...... کا...... ت!“ کی تکرار لحہ بہ لحہ شدت اختیار کرتی جا رہی تھی۔ فرش پر

پڑے ہوئے کھلونے اُس کے قدموں سے ٹکرا کر اِدھر اُدھر بکھر گئے تھے۔ نارمن چند لمحے خالی الذہنی کے عالم میں این کو تکتا رہا۔ این کے بال بکھرے ہوئے تھے اور اُس کا چہرہ اندرونی کرب سے سرخ ہو رہا تھا۔

''این!'' نارمن نے اُسے پکارا۔ ''اِدھر آؤ میرے پاس، میں تمہارا ڈیڈی ہوں۔''

این کے ہونٹوں سے شن کات کی بجائے اب ''آگ آگ......'' کی کرب آمیز پکار جاری ہوگئی۔

''این...... بیٹی میرے پاس آؤ۔'' نارمن نے آگے بڑھ کر اُس کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ جھٹکے سے پیچھے ہٹی اور کھڑکی سے ٹکراتے ٹکراتے بچی لیکن اُس کا ایک ہاتھ کھڑکی کے شیشے سے ٹکرا گیا۔ اُس نے فوراً ہی اپنا ہاتھ اس طرح ہٹایا جیسے وہ آگ میں جھلس گیا ہو۔ ''اُف آگ...... آگ۔'' این اپنا وہ ہاتھ بری طرح سے جھٹکنے لگی۔ وہ بے قراری سے کمرے میں چکرانے لگی۔ دفعتہً اُس کے پیر ایک دوسرے میں اُلجھے اور وہ آتشدان کے قریب گر گئی۔ لیکن اُس کا ایک ہاتھ آتشدان سے ٹکرا گیا۔ ''اُف آگ، آگ...... آگ۔'' وہ چلانے لگی۔

''کیا ہوا......؟'' سونیا نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا۔ اُس کے ایک ہاتھ میں بیگ تھا جس میں دوائیں بھری ہوئی تھیں۔

''این کا ہاتھ جل گیا ہے۔'' نارمن نے اُداس لہجے میں کہا۔

سونیا نے دواؤں کا بیگ نارمن کو تھمایا اور لپک کر این کے قریب گئی جو دیوانوں کی طرح چلا رہی تھی۔ پھر وہ بے ہوش ہو کر سونیا کی بانہوں میں گر گئی۔



نارمن بے چین رہنے لگا۔ این پر ہفتے میں ایک بار ضرور دورہ پڑتا تھا۔ وہ ''شن...... کات'' اور ''آگ آگ'' چلانے لگتی تھی۔ وہ بہت حیران تھا کہ آخر این پر کس قسم کا دورہ



پڑتا ہے۔ اس دن کے بعد جیرالڈ پھر کبھی نظر نہیں آیا تھا اور نہ اُس نے فون کیا تھا۔ نارمن اُس کی طرف سے مطمئن ہو گیا تھا کہ اس سے جان چھوٹ گئی لیکن یہ خیال اُس کے لئے سوہانِ روح بنا ہوا تھا کہ آخر این کو کیا ہوتا جا رہا ہے۔ اُسے یہ بھی خیال آتا کہ شاید جیرالڈ نے اس پر کوئی عمل وغیرہ کر دیا ہے۔ وہ اعتراف کر چکا تھا کہ مخفی علوم پر عبور رکھتا ہے۔

وہ انہی سوچوں میں گم تھا کہ فون کی گھنٹی بجی۔ اُس نے ریسیور اٹھایا تو کسی خاتون نے اسے بتایا کہ وہ فوراً سٹی ہاسپٹل پہنچ جائے۔ اُس کی بیوی کو حادثہ پیش آ گیا ہے۔ ریسیور رکھ کر وہ آندھی اور طوفان کی طرح کار دوڑاتا سٹی ہاسپٹل پہنچا۔ سونیا کے چہرے پر پٹیاں بندھی تھیں اور اس کا پورا جسم زخمی تھا۔

''کک...... کیا ہوا سونیا۔ یہ سب کچھ کیسے ہو گیا؟'' نارمن لپک کر اُس کے بیڈ کے قریب آیا اور اُس کا ہاتھ تھام کر لرزتی آواز میں پوچھا۔ سونیا کی دو اُنگلیوں پر بھی پٹیاں بندھی ہوئی تھیں۔

''خدا کے لئے نارمن جلدی سے جاؤ۔'' سونیا روتے ہوئے بولی۔ ''این کی چھٹی ہو چکی ہوگی۔ وہ میرا انتظار کر رہی ہوگی۔''

''کیا؟'' نارمن چلا اُٹھا۔

''میں اُسے لینے کے لئے گھر سے نکلی تھی۔'' سونیا نے بتایا۔ ''لیکن راستے میں ایکسیڈنٹ ہو گیا۔ اُف...... ساڑھے تین بج چکے ہیں۔ جاؤ...... این کا پتہ کرو۔''

''اُف خدایا......!'' نارمن نے سر پکڑ لیا۔ ''چھٹی کو ڈیڑھ گھنٹہ ہو چکا ہے۔ شاید...... شاید وہ گھر پہنچ گئی ہو۔'' اُس نے سونیا کو تسلی دینے کی کوشش کی لیکن اُس کا دل بری طرح سے لرز رہا تھا۔ وہ سونیا کا ہاتھ دھیرے سے تھپکتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ ''تسلی رکھو سونیا۔ میں دیکھتا ہوں۔ این یقیناً گھر پہنچ چکی ہوگی۔''

وہ جب اسکول پہنچا تو وہاں کوئی موجود نہیں تھا۔ وہ لرزتے قدموں سے اسکول کی عمارت میں داخل ہو گیا۔ اندر ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ پرنسپل کے آفس کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ تیز تیز قدموں سے اس طرف بڑھا۔

”آیئے مسٹر نارمن۔“ میز کے پیچھے بیٹھی خاتون نے اُسے کمرے میں داخل ہوتے دیکھ کر خوش اخلاقی سے کہا۔

”این کہاں ہے؟“

”کیا مطلب!“ خاتون نے حیرت سے پوچھا۔

”مم...... مجھے کچھ دیر ہو گئی......“ نارمن نے خود کو سنبھالا۔ ”میں نے سوچا شاید وہ آپ کے کمرے میں ہو۔“

”سب بچے جا چکے ہیں۔“ اُس نے نارمن کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ نارمن نڈھال ہو کر کرسی پر ڈھیر ہو گیا۔

”آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے مسٹر نارمن؟“ پرنسپل خاتون نے تشویش سے پوچھا۔

”مم...... میں فون کرنا چاہتا ہوں۔“ نارمن نے لرزتی آواز میں کہا اور فون اپنی طرف گھسیٹ لیا۔ پہلے اُس نے اپنے گھر کے نمبر ڈائل کئے۔ گھنٹی بجتی رہی لیکن دوسری طرف کسی نے ریسیور نہیں اٹھایا۔ پھر اس نے عمارت کے نگراں سے رابطہ قائم کیا۔ اس نے دو منٹ بعد اُسے اطلاع دی کہ این وہاں نہیں پہنچی ہے۔ نارمن کا دل ڈوبنے لگا۔ ریسیور رکھ کر اس نے دونوں ہاتھوں سے سر تھام لیا۔ پرنسپل نے پانی کا گلاس لا کر اُس کے سامنے رکھ دیا۔ اُس کا گلا خشک ہو رہا تھا۔ اُس نے ایک ہی سانس میں گلاس خالی کر دیا اور کچھ کہے سنے بغیر باہر نکل گیا۔



بہت تلاش کے باوجود این کا پتہ نہ چلا۔ پولیس نے علاقے کا چپہ چپہ چھان مارا تھا



لیکن اُس کا سراغ نہ ملنا تھا نہ ملا۔ جیرالڈ کی تلاش بھی بڑی سرگرمی سے جاری تھی۔ نارمن اور سونیا کو یقین تھا کہ این کے اغواء میں اسی جیرالڈ کا ہاتھ ہے۔ مہینے سے زائد ہو چکا تھا۔ سونیا، این کی جدائی میں دیوانی سی ہو رہی تھی۔ نارمن کی حالت بھی کم بری نہیں تھی لیکن اُس نے خود پر قابو پایا ہوا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ اگر اس نے بھی ہمت ہار دی تو سونیا جو کہ پہلے ہی این کو یاد کر کے چیختی رہتی تھی، اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھے گی۔

نارمن کو اتفاقاً ہی جیرالڈ نظر آ گیا تھا۔ وہ ’شائن ہلز‘ قصبے سے واپس آ رہا تھا کہ ایک موڑ پر اُس نے جیرالڈ کو مخالف سمت سے آتی ہوئی سفید کار میں بیٹھا دیکھ لیا۔ اُس نے تیزی سے گاڑی ٹرن کی اور اُس کے پیچھے لگ گیا۔ سفید کار میں جیرالڈ تنہا تھا اور اُس کا رُخ اب قصبے جانے والی سڑک سے ہٹ کر ان پہاڑوں کی طرف تھا جو قصبے کے چاروں طرف فصیل کی طرح سر اٹھائے کھڑے تھے۔ نارمن کا ذہن غصے سے سلگ رہا تھا۔ اُس کا جی چاہ رہا تھا کہ اس کمبخت جیرالڈ کا نرخرہ چبا ڈالے جس نے اُن کی ہنستی بستی دنیا میں انگارے بھر دیئے تھے۔ وہ محتاط انداز میں اس کا تعاقب کرتا رہا۔

سفید کار پہاڑوں کے دامن میں پہنچ کر اُس کی نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ جب وہ س مقام پر پہنچا تو اس نے دیکھا کہ ایک پہاڑی کٹاؤ کے درمیان اتنا راستہ موجود ہے جس سے کار گزاری جا سکتی تھی۔ اسی کٹاؤ سے راستہ خم کھا کر پہاڑی سلسلے کے درمیان دُور تک چلا گیا تھا۔ سفید کار کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ وہ کار بند کر کے نیچے اُتر آیا اور تیز تیز قدموں سے آگے بڑھنے لگا۔ اُس نے ایک فرلانگ کا فاصلہ ہی طے کیا تھا کہ اُسے اپنے دائیں ہاتھ پر ایک طویل و عریض میدان نظر آیا اور میدان کے ایک کنارے پر بڑے سے چبوترے کے عقب میں ایک بوسیدہ سی عمارت جس کی دیواریں جگہ جگہ سے ٹوٹ پھوٹ چکی تھیں۔ شام کے دھندلکے میں کسی ہیبت ناک سائے کی طرح ایستادہ تھی۔

اُس کے قدم بے اختیار اس عمارت کی طرف اٹھنے لگے۔ مین گیٹ کی جگہ دو شکستہ ستونوں کے درمیان خلاء تھا۔ دروازہ بہت پہلے ستونوں سے الگ ہو کر ٹوٹ پھوٹ چکا تھا۔ اس خلاء سے عمارت میں داخل ہوتے ہوئے وہ دل میں عجیب سی ہیبت محسوس کر رہا تھا۔ اُس کے دل میں یکبارگی خیال آیا کہ یہاں سے واپس چلا جائے۔ لیکن نہ جانے کس طرح خود بخود اُس کے قدم اُٹھتے جا رہے تھے۔ کوئی ان دیکھی قوت اُسے اپنی طرف کھینچ رہی تھی۔ اُس نے محسوس کیا کہ عمارت پر نظر پڑتے ہی وہ کسی سحر میں گرفتار ہو گیا تھا اور نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے قدم خود بخود اٹھ رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے خود کو طویل و عریض کمرے میں پایا۔

کمرے کا ہیبت ناک منظر دیکھ کر اُس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ کمرے کی دیواروں پر سیاہ پینٹ کیا گیا تھا اور اس کے عین درمیان میں ایک مکروہ اور خوفناک مجسمہ ایستادہ تھا۔ وہ شاید شیطان کا مجسمہ تھا۔ کالا مجسمہ! جس نے ایک ہاتھ میں اپنی دُم تھام رکھی تھی اور دوسرے میں ترشول۔ اس مجسمے کی آنکھوں کی جگہ گویا دو دہکتے انگارے رکھ دیے گئے ہوں۔ کمرے میں موجود تعفن سے نارمن کا دماغ پھٹنے لگا لیکن مجسمے کے سامنے کھڑے جیر اللہ کو دیکھ کر اُس کے ذہن میں سنسناہٹ سی ہونے لگی۔ یہ دیکھ کر خوف اور دہشت سے اُس کے جسم سے پسینہ پھوٹ پڑا کہ جیر اللہ کے پہلو میں این کھڑی تھی۔ معصوم این کے جسم پر عجیب و غریب لباس تھا اور وہ بھی جیر اللہ کے ساتھ اس مجسمے کے سامنے ہاتھ باندھے بڑی عقیدت سے کچھ بڑبڑا رہی تھی۔

''آؤ مسٹر نارمن!'' اس تاریک کمرے میں جیر اللہ کی کھردری آواز گونجی۔ ''آگے بڑھو اور قوتوں کے سرچشمے کو سجدہ کرو۔''

نارمن جیسے کسی بھیانک خواب سے بیدار ہو گیا۔ وہ جھرجھری سی لے کر ہوش میں آ گیا۔ اُسے سمجھنے میں دیر نہیں لگی کہ جیر اللہ ابلیس کا پیروکار ہے۔



''بکواس بند کرو خبیث انسان!'' نارمن پوری قوت سے چیخا۔ ''میری بیٹی میرے حوالے کر دو۔ میں تمہارے مکروہ عزائم سے واقف ہو گیا ہوں۔''

''تمہاری بیٹی......!'' جیر اللہ نے قہقہہ لگایا۔ ''مسٹر نارمن! اصل بات میں تمہیں اب بتاتا ہوں۔'' اُس نے پلٹ کر نارمن سے کہا۔ نارمن کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ این بدستور مجسمے کے سامنے کھڑی بڑبڑا رہی تھی گویا اُسے اپنے اردگرد کسی کی موجودگی کا احساس تک نہ تھا۔

''یہ میری بیٹی نتاشا ہے۔'' جیر اللہ نے کہا۔ ''گیارہ سال پہلے یہیں...... اسی کمرے میں میری غلطی کے باعث جل کر ہلاک ہو گئی تھی۔ لیکن میں نے اس کی روح کو اسی دنیا میں کسی اور کے جسم میں داخل ہونے پر مجبور کیا تھا۔ دراصل یہ طاقت کے سرچشمے کی امانت ہے۔ میں اس کی دو سال کی عمر سے خصوصی پرورش کر رہا تھا اور ہر مہینے مکمل تاریک راتوں میں اس پر عمل کرتا تھا۔ لیکن گیارہویں سال کچھ گڑبڑ ہو گئی اور نتاشا جل کر بھسم ہو گئی۔ پھر اُس نے تمہارے ہاں این کی صورت میں جنم لیا۔ اب یہ ٹھیک گیارہ برس کی ہو گئی ہے اور آقا کی خوشنودی کی خاطر عمل کا سلسلہ وہیں سے شروع کر دیا ہے جہاں سے ٹھیک گیارہ سال پہلے ٹوٹا تھا۔ یہ سلسلہ تب تک چلے گا جب تک نتاشا سولہ سال کی نہیں ہو جاتی۔ پھر ایک مخصوص رات کے مخصوص وقت میں اُسے آقا پر قربان کر دوں گا۔ نتاشا کے خون سے اسے غسل دوں گا۔'' اس نے شیطان کے مجسمے کی طرف دیکھتے ہوئے نہایت عقیدت سے کہا۔

''پھر......'' وہ ایک لمحے کے توقف کے بعد بولا۔ ''پھر میرا آقا مجھے ابدی زندگی عطا کر دے گا۔ دنیا کی ہر آسائش میرے قدموں میں ہوگی۔''

''نہیں......تم ایسا نہیں کر سکتے۔'' نارمن نے پوری قوت صرف کر کے کہا۔ مگر اس کے گلے سے گھٹی گھٹی سی آواز نکلی۔

"بھلا مجھے کون روک سکتا ہے۔" جیرالڈ خباثت سے ہنسا۔ "مسٹر نارمن! آپ کو معلوم ہے، آج پوری تاریک رات ہے، اور اس تاریک رات میں، اس تاریک قوتوں کے سرچشمے اور عظیم ہستی کو خوش کرنے کے لئے قربانیاں دی جاتی ہیں۔ میں بھی ہر مہینے کی مکمل تاریک رات میں اسے انسانی خون سے غسل دیتا ہوں۔"

نارمن کے ہر مسام جان سے پسینہ دھاروں کی صورت میں بہنے لگا۔ وہ سن رہا تھا، دیکھ رہا تھا لیکن اپنے جسم کو حرکت دینے سے معذور تھا۔ اسے ایسا محسوس ہوا گویا اسے فرش سے جوڑ دیا گیا تھا۔

"نہیں...... تم ایسا نہیں کر سکتے۔" نارمن نے بمشکل کہا۔ "یہ عمارت سڑک سے زیادہ دُور نہیں ہے...... اگر چہ پہاڑوں میں گھری ہوئی ہے...... لیکن...... اس دنیا سے الگ نہیں ہے...... بہت جلد......"

جیرالڈ نے ایک بار پھر شیطانی قہقہہ لگایا۔ "یہ عمارت واقعی دنیا سے الگ تھلگ ہے مسٹر نارمن۔" وہ بولا۔ "اب اگر میں تمہیں اس کمرے سے جانے کی اجازت دے دوں تو باہر قدم رکھتے ہی تم خود کو پہاڑوں کے درمیان ایک کھلے میدان میں پاؤ گے۔ یہ عمارت صرف اسی کو نظر آتی ہے جسے دوبارہ دنیا دیکھنا نصیب نہیں ہوتی۔"

نارمن نے محسوس کیا کہ کمرے میں ٹھنڈ بڑھتی جا رہی تھی۔ جیرالڈ نے ایک کونے سے دو عدد اودے رنگ کی موم بتیاں اٹھائیں اور شیطان کے مجسمے کے سامنے رکھ دیں۔ پھر مجسمے کے قدموں میں رکھے ایک بڑے سے چھرے کو اٹھا کر موم بتیوں پر ٹکا دیا۔ وہ یکایک جل اٹھیں۔ موم بتیوں کے سرخ شعلوں سے اٹھنے والا سیاہ دُھواں مجسمے کے گرد چکرانے لگا۔ گویا شیطان کے مجسمے کے گرد دُھواں رقص کرنے لگا تھا۔ کمرے میں ٹھنڈ کے ساتھ ساتھ بدبو بھی بڑھ گئی تھی۔

نارمن ساکت کھڑا کمرے کا دہشت ناک منظر دیکھتا رہا۔ اُس کی تمام حسیات کام



کر رہی تھیں لیکن وہ اپنے جسم کو ایک انچ بھی حرکت نہیں دے سکتا تھا۔ دفعتہً اُس کے کانوں میں زور زور سے کسی غیر مانوس الفاظ کی تکرار ٹکرائی۔ وہ صرف ایک لفظ سمجھ پایا۔

"شن کات۔"

جیرالڈ شیطان کے مجسمے کے سامنے کھڑا مکروہ آواز میں با آواز بلند کچھ الفاظ دہرا رہا تھا۔ وہ اچانک مڑا اور اُس کی آنکھوں سے گویا چنگاریاں سی نکل رہی تھیں۔ وہ بڑا سا چھرا نما ہتھیار اٹھائے نارمن کی طرف بڑھا۔ نارمن نے پوری قوت صرف کر کے بھاگنے کی کوشش کی لیکن وہ اپنے وجود کو جنبش تک نہ دے سکا۔ جیرالڈ زیر لب بڑبڑاتا ہوا اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ دفعتہً جیرالڈ نے چھرے والا ہاتھ بلند کیا۔ نارمن پتھرائے وجود سے ساکت کھڑا اپنی موت کا نظارہ کرتا رہا۔ موت...... جو اُس کے سامنے کھڑی تھی۔ این بدستور مجسمے کے سامنے کھڑی کچھ بدبدا رہی تھی۔ جیرالڈ کا ہاتھ بجلی کی سی تیزی سے حرکت میں آیا اور نارمن کے حلق سے دلخراش چیخ نکل گئی۔



نارمن جھرجھری سی لے کر ہوش میں آ گیا۔ اُس نے چندھیائی ہوئی آنکھوں سے اپنے اِردگرد دیکھا۔ ڈبے میں موجود تمام افراد غور سے اُس کی جانب دیکھ رہے تھے۔

"مسٹر شیرک!" نارمن کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی آواز نکلی۔ "یہ...... یہ سب کیا تھا؟"

"تمہارا مستقبل!" ڈاکٹر شیرک نے سکون سے جواب دیا۔

"اچھا...... اب وہ پانچواں پتا دکھائیے جس میں نجات کا راستہ پوشیدہ ہے۔" نارمن نے بے چینی سے کہا۔

"ضرور......" ڈاکٹر شیرک نے پانچواں پتا سیدھا کر دیا۔ وہ وہی تھا۔ موت کی علامت۔ وہی انجام جو اس سے پہلے ہر مسافر کے بارے میں سامنے آ چکا تھا۔

"میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا چکر ہے۔" نارمن کافی دیر خاموش رہنے کے بعد بولا۔

رونالڈ نے کہا۔"یہ کوئی چکر نہیں ہے جناب! ہم پانچوں کا مستقبل قطعاً خوشگوار نہیں ہے۔ ہم سب کا مستقبل دہشت ناک واقعات سے لبریز ہے اور ان سے نجات کا واحد ذریعہ موت ہے۔"

"لیکن اس ڈبے میں صرف پانچ مسافر تو نہیں ہیں۔" ریکس نے کہا۔"چھٹے مسافر خود ڈاکٹر شیرک ہیں ان کا مستقبل کیا ہے؟ اس کا خیال تو ہم میں سے کسی کو نہیں آیا۔"

"ارے ہاں۔" ایڈی مارش بول پڑا۔"ان کے بارے میں بھی تو معلوم ہونا چاہئے۔"

ڈاکٹر شیرک نے بڑے سکون سے ان سب کو دیکھا۔ اب اُس کے چہرے پر عجیب آب و تاب سی نظر آ رہی تھی۔ اُس نے پُراعتماد انداز میں پتے پھینٹے پھر تین مرتبہ انہیں ہاتھ لگایا اور حسبِ معمول چار پتے اُٹھا کر اپنے سامنے اُلٹ دیئے لیکن انہیں سیدھا کرنے کی کوشش نہیں کی جیسے اُسے اپنے مستقبل کے بارے میں کوئی تجسس نہ ہو، یا وہ سب کچھ پہلے سے جانتا تھا۔ پھر اُس نے پانچواں پتا اُٹھایا اور اُسے سیدھا کرتے ہوئے بولا۔"مجھے مستقبل سے کوئی دلچسپی نہیں۔ البتہ یہ ضرور بتا سکتا ہوں کہ میرا انجام کیا ہوگا۔ یہ بھی تیرہواں پتا ہے۔ یعنی موت کی علامت......ہم سب کا انجام بالآخر یہی ہے۔"

پانچوں اپنی اپنی سوچوں میں گم ہو گئے۔ سب ایک ہی بات سوچ رہے تھے کہ ان کے سروں پر ان دیکھی آفت منڈلا رہی ہے جو کسی بھی لمحے انہیں اپنی گرفت میں لے لے گی۔ یہ سب کچھ ان کی تقدیر میں لکھا جا چکا تھا۔ پانچوں مسافروں نے اس حقیقت کو تسلیم کر لیا کہ دہشت ناک موت ان سب کی منتظر ہے۔ سب کے دل خوف و دہشت



سے لرز رہے تھے۔

دفعتہ پانچوں مسافروں کے ذہنوں میں بیک وقت ایک خیال آیا۔'کیا وہ موت کا سفر کر رہے ہیں۔ ٹرین کو کوئی حادثہ پیش آنے والا ہے؟'......

ایڈی مارش سخت برہمی سے ڈاکٹر شیرک سے مخاطب ہوا۔"آخر ہم سب کو اس قدر پریشان کر کے تمہیں کیا ملا؟ تم چاہتے کیا ہو؟ دراصل......تم ہو کون؟"

"کیا تم اب تک نہیں سمجھ سکے کہ میں کون ہوں؟" ڈاکٹر شیرک نے بڑے معنی خیز انداز میں کہا۔ اُس کے چہرے پر پراسراری چمک آ گئی تھی۔ اب وہ بوڑھا اور کمزور نہیں لگ رہا تھا۔ اچانک ڈبے میں تاریکی چھا گئی۔ دراصل گاڑی ایک سرنگ میں داخل ہو گئی تھی اور ڈبے کی بتیاں روشن نہیں ہو سکی تھیں۔ سرنگ میں داخل ہوتے ہی گاڑی کے پہیوں کا شور کئی گنا بڑھ گیا تھا۔ تیز ہوا کی سرسراہٹ اور آہنی پٹریوں پر پہیوں کا شور ایسا معلوم ہوتا تھا گویا کئی بدرُوحیں مل کر چیخ رہی ہوں۔ پانچوں مسافروں کے دل اُچھل کر حلق میں آ گئے لیکن جلد ہی ٹرین سرنگ سے نکل آئی اور پانچوں ایک دوسرے کو خوفزدہ نظروں سے دیکھنے لگے۔

اچانک ہی ان پانچوں پر ایک حیرت انگیز حقیقت کا انکشاف ہوا۔ اُن میں ڈاکٹر شیرک موجود نہیں تھا۔ ڈبے میں صرف وہی پانچ افراد موجود تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے ڈاکٹر شیرک ان کے درمیان کبھی موجود ہی نہیں رہا تھا۔ وہ گویا ایک خیال تھا محض خواب! جس کا حقیقی وجود تھا ہی نہیں۔

لیکن نہیں۔ وہاں پڑے ہوئے تاش کے پتوں کا پیکٹ اس بات کا ثبوت تھا کہ چند لمحوں پہلے تک ڈاکٹر شیرک اس ڈبے میں ان کے درمیان موجود تھے۔ پانچوں مسافروں کے چہرے سفید پڑ گئے اور پہلے سے بھی زیادہ خوفزدہ ہو گئے اور ہراساں نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ ٹرین کی رفتار کم ہونے لگی۔

''ٹرین رُکنے لگی ہے...... مم...... میرا دل کہتا ہے، کچھ ہونے والا ہے۔'' ریکس نے لرزتے ہوئے کہا۔

''کچھ نہیں ہوگا۔'' ایڈی مارش نے خود کو سنبھال لیا تھا اور اسی نخوت زدہ لہجے میں اُس نے کہا۔''شاید ہم منزل پر پہنچ گئے ہیں۔ ٹرین یقیناً بریڈلے اسٹیشن پر رُک رہی ہے۔''

''شاید......'' رونالڈ نے کھڑکی کھول کر باہر دیکھتے ہوئے کہا۔''نظر تو کچھ نہیں آ رہا۔لیکن میرا خیال ہے یہ بریڈلے اسٹیشن ہی ہے۔''

''ہم لوگ منزل پر پہنچ چکے ہیں۔'' ایڈی مارش کا اعتماد بحال ہو چکا تھا۔''یہی سب سے بڑی حقیقت ہے۔ جو تماشے اس بڈھے نے دکھائے محض نظر بندی اور شعبدہ بازی تھی۔ اس سے زیادہ کچھ نہیں۔'' یہ کہتے ہوئے اُس کی نظر ڈاکٹر شیرک کے تاش کے پیکٹ پر پڑی۔ انہیں اٹھا کر اس نے بڑی حقارت سے کھڑکی سے باہر اُچھال دیا۔

کچھ دیر بعد ٹرین رُک گئی۔ کھڑکی میں سے پلیٹ فارم دکھائی دے رہا تھا۔ ریکس نے اُٹھ کر اپنا سامان اٹھایا تو باقی چاروں بھی اپنے اپنے سامان کی طرف لپکے۔ پھر وہ سب ایک ایک کر کے پلیٹ فارم پر اتر گئے۔

ابھی شام نہیں ہوئی تھی لیکن پلیٹ فارم پر ملگجا سا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ ہر طرف انتہائی پراسرار ویرانی اور خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ ہوا چل رہی تھی لیکن اس میں وہ سب گرم موسم ہونے کے باوجود شدید ٹھنڈ محسوس کر رہے تھے۔ اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز اور غیر معمولی بات یہ تھی کہ پلیٹ فارم پر ان پانچوں کے سوا دُور دُور تک کوئی آدمی نظر نہیں آ رہا تھا۔

''حیرت کی بات ہے۔'' رونالڈ نے کہا۔''یہاں کتنی ویرانی اور خاموشی ہے۔ میری بیوی اور بیٹی کو تو یہاں ضرور موجود ہونا چاہیے تھا۔ میں نے فون پر انہیں اپنی آمد کی



اطلاع کر دی تھی۔''

''مجھے ایک خیال آ رہا ہے۔'' ریکس نے کہا اور رُک کر باقی چاروں کو دیکھنے لگا۔

''جس راستے پر ہم نے ٹرین میں سفر کیا ہے، اس میں تو کہیں سرنگ نہیں ہے۔ میں نے پہلے بھی کئی دفعہ اس روٹ پر سفر کیا ہے۔ہم میں سے کسی نے اس بات کو نوٹ نہیں کیا۔''

پانچوں ویران نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ ایک دم پلیٹ فارم کی طرف سے ہوا کا تیز جھونکا آیا اور ایک اخبار اُڑتا ہوا ان کے قدموں میں آن گرا۔ اب وہ اخبار ایڈی مارش کی ٹانگوں سے لپٹ کر پھڑ پھڑا رہا تھا۔ اُس نے غصے اور بیزاری کے عالم میں اخبار کی طرف دیکھا۔ وہ ٹھوکر مار کر اُسے ہٹانے ہی والا تھا کہ اس کی نظر اخبار کی سرخی پر جا پڑی۔ وہ چونک اُٹھا۔ سرخی کے الفاظ ایڈی مارش کے اعصاب پر ہتھوڑے کی طرح برسنے لگے......

''بریڈلے آنے والی ٹرین حادثے کا شکار ہوگئی۔ پانچ افراد ہلاک۔''

خبر میں ان پانچوں کے نام موجود تھے۔ ایڈی مارش نے اخبار اٹھا کر، خبر بلند آواز سے پڑھی تو وہ سب خالی خالی نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ دفعتہً انہیں اپنے قریب کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ سب نے یک بیک پلٹ کر دیکھا، جس جگہ پر ٹکٹ چیکر کو موجود ہونا چاہیے تھا وہاں کوئی شخص سفید چمکدار لباس میں ملبوس کھڑا تھا۔ اُس کا چہرہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ سفید پوش ہاتھ کے اشارے سے انہیں اپنی جانب بلا رہا تھا۔ اُس کی لمبی لمبی اُنگلیاں دیکھ کر اُنہیں یقین ہونے لگا کہ یہ شخص جس کا چہرہ نظر نہیں آ رہا ڈاکٹر شیرک کے علاوہ کوئی اور نہیں ہوسکتا۔

وہ پانچوں اُس کے سامنے جا کر رُک گئے۔ اب اُس سفید لباس میں ملبوس شخص نے دھیرے سے اپنا سر اُٹھایا اور یہ دیکھ کر پانچوں اپنی جگہ منجمد ہو کر رہ گئے کہ وہ بلاشبہ ڈاکٹر شیرک ہی تھا...... لیکن اُس کی صورت ہو بہو اُس بدرُوح سے مشابہہ تھی جو تاش کے

تیرہویں پتے پر ان سب نے دیکھی تھی۔ وہ دہشت ناک چہرہ جو موت کی علامت تھا۔
اُس نے ان پانچوں کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا۔ اب ان کے لئے اس کے پیچھے
جانے کے علاوہ کوئی چارہ نہ تھا۔ موت کے فرشتے نے اُن کی زندگی کی فصل کاٹ دی
تھی......ٹرین کے سفر کے دوران وہ پانچوں اپنی اپنی زندگی پوری گزار چکے تھے اور
زندگی کے آخری اسٹیشن پر آکر موت کی منزل پر پہنچ گئے تھے......!!

(ختم شد)